Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اپنی کہانی اپنی زبانی

उर्दू
929

30929

از: عبدالمجیب سہالوی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اپنی کہانی اپنی زبانی

उर्दू
929

30929

از: عبدالمجیب سہالوی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اپنی کہانی اپنی زبانی

عبدالمجیب سہالوی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

یہ کتاب

فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت

اتر پردیش کے

مالی تعاون سے شائع ہوئی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

انتساب

والد ماجد

شیخ عزیز الدین مرحوم

کے

نام

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اس کتاب کے مندرجات سے اکاڈمی کا متفق ہونا ضروری نہیں
جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

نام کتاب : اپنی کہانی اپنی زبانی
نام مصنف : عبدالمجیب سہالوی

ناشر : مصنف
کاتب : حبیب علی کھدرا

طابع : نامی پریس لکھنؤ
تعداد اشاعت : چھ سو

بار اول : ۱۹۸۷ء
قیمت : پندرہ روپے

ملنے کے پتے :
۱:- دانش محل امین آباد لکھنؤ
۲:- نسیم بکڈپو لاٹوش روڈ لکھنؤ
۳:- نصرت پبلشرز حیدری مارکیٹ امین آباد لکھنؤ

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

پیش لفظ

کچھ یادیں تھیں جو دماغ میں گونجا کرتی تھیں خاص طور پر مجھلی بہن فاطمہ بجیا جو مجھ سے بے حد محبت کرتی تھیں اور میں بھی انھیں چاہتا تھا لیکن دق کے مرض میں مبتلا ہو کر جوانی ہی میں ان کا انتقال ہو گیا اس کے علاوہ ندوہ جہاں زندگی کا بہترین حصہ گذرا جہاں ذہنی تربیت ہوئی اور جس سے میرا دلی لگاؤ ہے اس کی یاد برابر آیا کرتی تھی دانش محل جہاں بہت سے عزیز دوستوں سے تعلق پیدا ہوا آخر میں قومی آواز جہاں زندگی کے عزیز تیس سال گذرے وہاں کے ساتھیوں کی یاد اب تک بھلا نہ سکا تھا۔ ریٹائر ہونے کے بعد دل چاہتا تھا کہ یہ یادیں قلمبند کر دوں لیکن مزاج کی تساہلی سے یہ کام ٹلتا رہتا تھا۔ قومی آواز کے ہمارے ساتھی حسن واصف عثمانی جو نعمت اللہ بلڈنگ میں ہمارے قریب ہی رہتے تھے۔ ایک دن ملے ان کے ہاتھ میں عابد علی صاحب کی خود نوشت سوانح حیات مزدور سے منسٹر تک تھی۔

انھوں نے اس کی بڑی تعریف کی اور مجھے پڑھنے کو دیا۔ ساتھ ہی ساتھ کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی اپنے حالات زندگی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

لکھئے اس سے بہت سی شخصیتوں خصوصیت کے ساتھ ندوہ
سے متعلق لوگوں پر روشنی پڑے گی۔ اس کے بعد جب ملتے
پوچھتے کہ آپ نے لکھنا شروع کر دیا اس طرح میں نے اپنی
زندگی کے حالات مختصر طور پر لکھ ڈالے۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

میں پرانے قصبے سہالی، تحصیل فتح پور، ضلع بارہ بنکی میں، اکتوبر ۱۹۱۰ء میں ایک زمیندار گھرانے ں پیدا ہوا۔ اس موقع پر سہالی کے نام کے متعلق جو روایت مشہور ہے اس کا ذکر کر دیا ائے تو بے محل نہ ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ پہلے زمانے میں اس جگہ سیہہ ریا کا جنگل تھا اسی کی سبت سے اس جگہ آباد ہونے والے گاؤں کو سیہہ ریا کہا جانے لگا۔ رفتہ رفتہ سیہہ ریا سہالی ں تبدیل ہوگیا۔ یہاں دو خاندان تھے ایک علماء کا دوسرا روساء کا۔ علماء خاندان ے جد امجد قطب الدین شہید تھے اور روساء کے خاندان کے جد امجد محمد روشن رزا تھے۔ محمد روشن کا مزار بڑی مسجد کے پاس ہمارے آبائی قبرستان میں ہے ر مولانا قطب الدین شہید کا مزار مسجد کے پیچھے ہے۔

اس زمانے میں سہالی عربی تعلیم کا مرکز خیال کیا جاتا تھا اور باہر سے طالب علم علم کے لیے یہاں آیا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ علماء کے مکانات ہمارے مکان ے سامنے والے ٹیلے پر تھے جو چھوٹی مسجد کے پاس ہے۔

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

مولانا قطب الدین کی شہادت کے ان کے صاحبزادے ملا نظام الدین مع اپنے خاندان کے لکھنؤ منتقل ہو گئے بعد کو لکھنؤ سے ... درس کا سلسلہ یہاں بھی جاری رکھا اور درس نظامی کی بنیاد ڈالی۔

میرے والد شیخ عزیز الدین عرف بساون میاں بڑے زمیندار تھے ان کے والد محمد عباس موضع تمیرہ صدرالدین پور ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے تھے اور قدوائی تھے اس لحاظ سے ہم لوگ قدوائی ہیں مگر ہمارے والد کی والدہ نصیب النسار انصاری تھیں وہ شیخ امین الدین انصاری کی بیٹی تھیں امین الدین کے والد غلام امام ان کے والد محمد بہرام اور ان کے والد محمد روشن تھے جو ہم لوگوں کے جد امجد تھے سہالی میں ہمارا مکان جو بارہ دری کے نام سے مشہور تھا محمد روشن ہی نے بنوایا تھا۔ ہماری دادی نصیب النسار کو تعلقہ میں سے چھ گاؤں وراثت میں ملے تھے ہمارے دادا محمد عباس چھوٹے زمیندار تھے ہماری دادی نصیب النسار نے ان سے شادی اس شرط سے کی تھی کہ وہ سسرال نہیں جائیں گی اور اپنے مکان ہی میں رہیں گی اس لئے ہمارے دادا عباس صاحب سہالی ہی چلے آئے تھے کہا جاتا ہے کہ ہماری دادی سے شادی قدوائیوں میں اس لئے ہوئی تھی کہ ان کے چچا زاد بھائیوں نے اپنا حصہ راجہ محمود آباد کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا اور دادی کی جائداد پر دانت لگائے ہوئے تھے ان لوگوں کے حالات اچھے نہیں تھے اس لئے ہماری دادی نے اپنے خاندان میں شادی نہیں کی۔

ہماری دادی کا جو پہلا بچہ ہوا وہ ہمارے والد شیخ عزیز الدین تھے ان کی پیدائش سے نصیب النسار دادی کے بھائی بندوں کو تمام رنج ہوا

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کیونکہ اب ان کی جائداد کا وارث پیدا ہو گیا تھا۔ انھوں نے لڑکے کو اٹھا لے جانے اور مار ڈالنے کا منصوبہ بنایا۔ لڑکا اپنی دائی کے ساتھ پورب طرف والی کوٹھری میں لیٹا تھا اسی کوٹھری میں ٹھری بھی نقب لگائی گئی۔ جب دائی کو کھڑ بڑ کھٹ کی آواز سنائی دی تو اس نے شور مچانا شروع کر دیا اس طرح منصوبہ ناکام ہو گیا اس نقب کا نشان اب تک دیوار میں دکھائی دیتا ہے۔

والد کے بعد ہماری دادی کے تین لڑکیاں ہوئیں۔ سائرہ، عائشہ صدرن سائرہ پھوپھی کی شادی کھیولی میں عبدالوالی صاحب سے ہوئی عائشہ پھوپھی کی شادی کرسی کے پاس موضع بسارہ کے عاشق حسین صاحب سے ہوئی یہ دونوں زمیندار تھے۔ چھوٹی پھوپھی کی شادی دیوا کے پاس لالہ پور کے سید منظور حسن صاحب سے ہوئی یہ زمیندار تو نہیں تھے لیکن کافی پڑھے لکھے تھے اور بچوں کو پڑھانے لکھانے کا کام کرتے تھے۔ شادی کے بعد ہمارے والد نے سہالی میں جو مدرسہ قطبیہ قائم کیا انھیں اس کا ہیڈ ماسٹر بنایا ان کے رہنے کے لئے ہمارے مکان بارہ دری کے پاس ایک مکان بھی بنوا دیا۔ چھوٹی پھوپھی سے ہم لوگوں کا کافی تعلق رہا۔ وہ ہم لوگوں کو بہت چاہتی تھیں۔

ہماری چھوٹی پھوپھی کی تعلیم گھر ہی پر ہوئی تھی اور انھوں نے قرآن شریف بہشتی زیور اور کچھ دوسری دینی کتابیں پڑھی تھیں لیکن پڑھنے کا بڑا شوق تھا وہ ہم لوگوں کو اچھے قصے اور کہانیاں سناتی تھیں اسی وجہ سے ہم لوگ دن میں کئی کئی بار ان کے یہاں جاتے تھے۔ ان کے ایک لڑکے محمد احمد بھائی تھے اس زمانے میں سہالی میں ریاست محمود آباد کے ایک تحصیلدار صدیق حسن صاحب

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

تھے ان کے یہاں سے والد کے بڑے تعلقات تھے۔ پھوپھا کے انتقال کے بعد جب پھوپھی لکھنؤ آئیں تو وہ تحصیلدار صاحب کے ساتھ ان کے مکان واقع مولوی گنج میں رہنے لگیں جب محمد احمد بھائی ایک ہوٹل کے منیجر ہو گئے تو وہ بھی ہوٹل میں منتقل ہو گئیں ہماری چھوٹی پھوپھی کو بڑے صدمے اٹھانے پڑے پھوپھا کے انتقال کے بعد ان پر دو لڑکیوں سیدہ بجیا صابرہ بجیا اور ایک لڑکے محمد احمد بھائی کی پرورش کی ذمہ داری پڑ گئی۔ اللہ کی مدد سے لڑکیوں اور لڑکے کی پرورش ہو گئی۔ بڑی لڑکی سیدہ بجیا کی شادی کسمنڈی کے ایک محمد احمد صاحب سے ہوئی دوسری لڑکی صابرہ بجیا کی شادی رسولی کے شاہ عنایت حسین سے ہوئی۔ لیکن پہلے صابرہ بجیا اس کے بعد سیدہ بجیا کا انتقال ہو گیا سیدہ بجیا کے ایک لڑکی زبیدہ عرف اچھی اور لڑکا سعید تھا جس کی پرورش پھوپھی کے ذمہ آئی جب پھوپھی محمد احمد بھائی کے ساتھ ہوٹل میں رہتی تھیں تب سعید کا انتقال ہو گیا جس کا پھوپھی کو بے حد رنج تھا پھوپھی نے حالات کی ناسازگاری کے باوجود اپنی نواسی کو اچھی تربیت دی لڑکی کو خود پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔ اس نے اردو میں اچھی اہلیت پیدا کر لی۔ پھوپھی کو شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی وہ خود بھی جب متاثر ہوتی تھیں تو ایک آدھ شعر کہہ لیتی تھیں۔

میں اور بھائی عبدالحسیب صاحب جب ندوہ میں پڑھتے تھے تو پھوپھی کے یہاں جمعہ کے دن آیا کرتے تھے ایک مرتبہ میں پھوپھی کے یہاں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

گیا تو میں نے ان کی نواسی اچھی کے پاس ایک لڑکی کو بیٹھے دیکھا مجھے یاد ہے کہ وہ لڑکی کالا گھوٹنا پہنے تھی اس کا گیہواں رنگ تھا اور دبلی پتلی تھی میں نے اسے نہیں پہچانا پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ بسارہ کی منی بجیا کی لڑکی اختر ہے اس وقت کیا معلوم تھا کہ یہی لڑکی ہماری رفیقہ حیات ہوگی۔ پھوپھی پر مصیبت کا پہاڑ اس وقت ٹوٹ پڑا جب محمد احمد بھائی کا انتقال ہوگیا۔ مگر انھوں نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ سیدہ بجیا کے شوہر محمد احمد بھائی رکسمنڈی کے رہنے والے تھے بہت خوش اخلاق آدمی تھے پھوپھی کا دل پے درپے ان صدمات سے بہت دکھا تھا اب صرف ان کی نواسی اچھی بچی تھی ظاہر ہے پھوپھی کو اس سے انتہائی محبت تھی محمد احمد بھائی نے دوسری شادی کر لی تھی انھوں نے لڑکی کو اپنے ساتھ رکھنے پر زور نہیں دیا۔ اور اچھی کی پرورش پھوپھی ہی نے کی انھوں نے گھر ہی پر اس کو تعلیم دی پھوپھی کو اردو ادب سے دلچسپی تھی کیونکہ ان کے بھائی (یعنی میرے والد شاعری کرتے تھے دوسرے اس زمانے میں سہالی میں ابوالحسن صاحب شمیم صاحب دیوان شاعر تھے ان کی وجہ سے سہالی میں شعروادب کا ماحول پیدا ہوگیا تھا چنانچہ پھوپھی کو بھی شعروادب سے اچھا خاصا لگاؤ ہوگیا تھا۔ ان کی صحبت اور تعلیم کا اثر ان کی نواسی پر ہونا قدرتی بات تھی اس لئے اچھی کو بھی اردو ادب میں اچھا خاصا دخل ہوگیا ہم جب پھوپھی کے یہاں جاتے تھے تو وہ والد کے اور شمیم سہالوی کے اشعار سنایا کرتی تھیں مجھ سے اصرار پر اپنا بھی ایک آدھ شعر سنا دیتی تھیں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

میرا حافظہ اتنا خراب ہے کہ اس وقت ان کا کوئی شعر یاد نہیں پڑ رہا ہے۔

شہر لکھنؤ میں پھوپھی کا ہی گھر تھا جہاں بسارہ اور سنبھالی کے تمام رشتے دار آیا کرتے تھے ہماری منجھلی پھوپھی اکثر بہار سے اپنی چھوٹی بہن کے یہاں آیا کرتی تھی۔ ہماری سب سے بڑی پھوپھی جو کھیولی میں بیاہی تھیں وہ پھوپھا کے انتقال کے بعد گڑھی پھلول میں اپنی لڑکی کے یہاں رہنے لگی تھیں اس زمانے میں خاندان سے باہر شادیاں کرنا اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا اور خاندان ہی میں شادیاں کی جاتی تھیں یہ رواج صحیح نہیں تھا اس لئے کہ اس سے اپنا رفیق حیات تلاش کرنے کے لئے حلقہ بالکل محدود ہو جاتا تھا دوسرے نیا خون نہ آنے سے آئندہ نسل کی صحت پر بھی اچھا اثر نہ پڑتا تھا رواج کے بندھن سے اس وقت تک چھٹکارا نہیں مل سکا تھا چنانچہ ہماری چھوٹی پھوپھی کی نواسی کی شادی ہماری بڑی پھوپھی کے نواسے عزیزم انوار سے ہو گئی۔

حالات کے اچھے نہ ہونے کے باوجود اچھا نے اپنے لڑکے لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی خدا کے فضل سے ان کے بڑے لڑکے حبیب اشرف مرکزی محکمہ اطلاعات میں افسر ہیں، ان کی بڑی لڑکی عذرا نے لکھنؤ یونیورسٹی سے سنسکرت میں پی، ایچ، ڈی کیا ہے اس کے علاوہ اس نے انگریزی میں ایم، اے بھی کیا ہے چھوٹی لڑکی سلمیٰ نے جیلا سے بی، اے اور چھوٹے لڑکے جمیل اشرف نے لکھنؤ یونیورسٹی سے اور مینٹل امتحان پاس کیا خوشی کی بات

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ہے کہ وہ بھی ریلوے میں ملازم ہے۔

ہماری پھوپھی کا انتقال غالباً ان کی نواسی اچھی کی بڑی لڑکی حمیرہ کی پیدائش کے بعد ہو گیا ہمیں وہ بہت یاد آتی ہیں اللہ انھیں اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

چھوٹی پھوپھی کا تو ہم لوگوں کا بچپن سے ساتھ رہا۔ ان کے بعد ہم لوگوں کا زیادہ تعلق منجھلی پھوپھی جن کا نام سائرہ تھا اور جن کی شادی کرسی کے پاس بسارہ میں عاشق حسین صاحب کے ساتھ ہوئی تھی رہا پھوپھا اکثر سہالی آیا کرتے تھے۔ سب سے پہلے بسارہ میرا جانا والد صاحب کے ساتھ ہماری پھوپھی زاد بہن جمیلہ بجیا کی شادی میں ہوا۔ جمیلہ بجیا بڑی ہنس مکھ ملنسار تھیں وہ زیادہ خوبصورت نہیں تھیں لیکن ان میں بڑی کشش تھی ہماری پھوپھی زاد بہنوں میں سب سے بڑی ہماری خوش دامن منی بجیا اس کے بعد صدیقہ بجیا، پھر جمیلہ بجیا۔ منی بجیا بڑی ہمدرد اور محبت کرنے والی تھیں لیکن صاف گو اور تیز مزاج تھیں صدیقہ بجیا بڑی سیدھی تھیں جیسے اللہ میاں کی گائے ان کے تین لڑکے رشید، راشد، متین اور ایک لڑکی بیٹا ہیں راشد جو لکھنؤ میں رہتے ہیں یہ تھوڑا بہت اپنا ماں یعنی صدیقہ بجیا کو پڑے ہیں اتنے سیدھے تو نہیں ہیں لیکن نیک مزاج ہمدرد محبتی ہیں۔ ان کی لڑکی شاہین۔ بہت کام کا جو پڑھنے لکھنے میں تیز اور زبان کی بھی تیز ہے۔ حالانکہ ماں اور باپ دونوں زیادہ بولتے نہیں ماں تو بہت سیدھی ہیں بقول شخصے بولنا ہی نہیں جانتیں شاہین ہم لوگوں کے ساتھ کافی رہی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ہے اس میں یہ خوبی ہے وہ بے کار نہیں بیٹھتی اور آگے بڑھ کر کام کرنے لگتی ہے ہمدرد بھی ہے مگر وہ کسی کی غلط بات پر خاموش نہیں رہ سکتی تڑاق سے جواب دے دے گی یہ اچھی بات ہوئی کہ اس کے شوہر عزیزم ڈاکٹر حلیم اپنے نام کے مطابق حلیم ہیں اور زیادہ بولتے بھی نہیں اس لیئے دونوں خوشی خوشی رہ رہے ہیں حلیم میرا بڑا لحاظ کرتے ہیں میں بھی انھیں اپنے لڑکوں کی طرح مانتا ہوں انھوں نے طبیہ کالج سے فراغت کے بعد ہمارے بڑے لڑکے ڈاکٹر آصف عزیز سے کچھ دن کام سیکھا ہے۔ وہ بہار کے رہنے والے ہیں لیکن وہ زیادہ تر لوپلی ہی میں رہتے ہیں۔ اس لئے ان کے تعلقات یہاں بہت زیادہ ہیں۔

جمیلہ بجیا کی شادی میلارائے گنج میں اعجاز بھائی سے ہوئی تھی ان کے ایک لڑکے خالد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں لکچرر ہیں ان کے بڑے لڑکے عاصم عرف چھبن زیادہ تر میلارائے گنج میں رہتے ہیں ویسے ان کے سب بال بچے علی گڑھ میں رہتے ہیں وہ لیڈر ٹائپ آدمی ہیں گاؤں پردھان ہیں بڑے محبتی اور جذباتی ہیں۔ ہمارے اعجاز بھائی بھی خوبصورت آدمی تھے ہماری جمیلہ بجیا بھی صورت شکل میں اچھی تھیں اس لئے ان کے لڑکے لڑکیاں سب رنگ روپ میں اچھے ہیں شکیلہ عرف شکے ان کی بڑی لڑکی میلارائے گنج میں رہتی ہے منجھلی عقیلہ عرف عقے علی گڑھ میں ہے اس سے چھوٹی لڑکی عدیلہ عرف عدے کی شادی محمد رفیق عرف رفو کے ساتھ ہوئی تھی وہ بارہ بنکی میں محلہ بیگم گنج میں رہتی ہے۔ سب سے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

چھوٹی لڑکی خالدہ بھی اپنے بال بچوں کے ساتھ بارہ بنکی میں رہتی ہے بہت نیک مزاج مگر اس سے بات کرنا بڑا مشکل ہے اس لئے کہ وہ اتنا اونچا سنتی ہے کہ اس سے صرف لکھ کر بات چیت کی جا سکتی ہے یہ چاروں میری پھوپھی زاد بہن کی لڑکیاں ہونے کی بنا پر مجھے ماموں کہتی ہیں دوسری طرف یہ لڑکیاں میری اہلیہ اختر جہاں کی خالہ زاد بہنیں ہیں اس رشتے سے میری سالیاں ہیں۔

عدیلہ عرف عدے کے لڑکے شہاب خالد عرف خلیق جو وکیل ہے اس سے میری چھوٹی لڑکی ڈاکٹر فرزانہ قدوائی کی شادی ہوئی ہے وہ ابھی حال ہی میں ملازم ہو گئی ہے اور مسولی اسپتال میں لیڈی ڈاکٹر کی حیثیت سے کام کر رہی ہے۔ خلیق کے والد رفیق عرف رفو بچارے دل کے مریض ہیں لیکن وہ کبھی بے کار نہیں بیٹھتے کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں بڑے خوش اخلاق اور مہمان نواز ہیں جب کبھی ان کے یہاں جانا ہوتا ہے تو کبھی پروگرام کے مطابق واپسی نہیں ہوتی وہ کسی طرح آنے نہیں دیتے ان کی عدم موجودگی میں بھاگ آنا پڑتا ہے۔

والد کی شادی ہماری والدہ وزیر النسار سے ہوئی جو دیوا کی رہنے والی تھیں۔ ہماری والدہ کے والد اشرف علی صاحب فرخ آباد کے رہنے والے تھے اور وہاں کے خاں صاحبان سے تعلق رکھتے تھے وہ حاجی وارث علی شاہ صاحب کے بڑے معتقد تھے اور دیوا اکثر آیا جایا کرتے تھے ان کی بیوی جو فرخ آباد کی تھیں ان کا انتقال ہماری والدہ وزیر النسار کی پیدائش کے بعد ہی ہو گیا انھوں نے اپنی دوسری شادی دیوا میں کی اور

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اور یہیں رہنے لگے اس طرح ہماری والدہ کی پرورش ان کی سوتیلی ماں کے یہاں دیوا میں ہوئی۔ ہمارے نانا اشرف علی صاحب کے دوسری بیوی سے بھی صرف لڑکیاں ہوئیں ہم نے اپنے نانا کو نہیں دیکھا لیکن والدہ کہا کرتی تھیں کہ وہ بہت خوبصورت اور وجیہہ آدمی تھے۔

ہماری والدہ کی شادی کم عمری میں ہو گئی تھی شادی کے وقت ان کی عمر چودہ پندرہ سال کی ہوگی۔ ان سے ہمارے سب سے بڑے بھائی عبدالعزیز ان کے بعد بہن ہاجرہ پھر عبدالسلام ان کے بعد دو بہنیں فاطمہ، صغرا ان کے بعد عبدالحبیب اور سب سے آخر میں میں پیدا ہوا۔ اس زمانے میں زمیندار گھرانے کے لوگ عام طور پر نوکری نہیں کرتے تھے اس لئے والد صاحب نے اپنے لڑکوں کو انگریزی تعلیم دینے کے بجائے دینی تعلیم کے لئے ندوۃ العلماء لکھنؤ بھیجا۔ بڑے بھائی عبدالعزیز صاحب نے ندوہ کے بعد تکمیل الطب کالج جھوائی ٹولہ لکھنؤ سے طب پڑھی اور حکیم ہوئے منجھلے بھائی عبدالسلام صاحب کو بھی ندوہ بھیجا گیا لیکن انہیں عربی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس لئے وہ انگریزی پڑھنے محمود آباد چلے گئے۔ بھائی عبدالحبیب اور میں ساتھ ساتھ ندوہ آئے حبیب صاحب چوتھا درجہ پاس کرکے یہاں سے علی گڑھ طبیہ کالج چلے گئے اور میں ندوہ ہی میں رہا۔

اس درمیان والد صاحب کا انتقال ۵۵ برس کی عمر میں سنہ ۱۹۲۲ء میں ہو گیا۔ ان کی صحت اچھی نہیں تھی انہیں عرق النساء کی اکثر شکایت رہتی تھی۔ ان کی تعلیم گھر ہی پر ہوئی تھی۔ اردو فارسی کے علاوہ انہوں نے کچھ انگریزی بھی پڑھی تھی۔ کیونکہ انہوں نے ضلع بارہ بنکی کے انگریز ڈپٹی کمشنر کی بیوی کی شرکت میں بارہ بنکی میں ایک بینک کھولا تھا شاید وہ

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ضلع کا پہلا بینک تھا۔ ڈپٹی کمشنر کے تبادلے کے بعد بینک فیل ہوگیا۔ مجھے یاد ہے کہ ہمارے یہاں لکڑی کا ایک بڑا سا صندوق تھا۔ اس میں بینک کی دستاویزوں کے بستے بھرے ہوئے تھے کچھ دن والد نے اپنے مختار فرزند علی صاحب کے ذریعہ دعوے دائر کرکے بینک سے قرضے لینے والوں سے مطالبہ وصول کرنے کی کوشش کی لیکن بعد کو وہ مقدمہ بازی اور ڈگری قرقی کے جھمیلے سے عاجز آ گئے۔ ایک دن انھوں نے مختار فرزند علی صاحب کو بلایا اور کہا بیٹا وہ سب دستاویزیں صندوق سے نکال لاؤ جب وہ دستاویزیں نکال لائے تو والد نے کہا ان میں دیا سلائی لگا دو پہلے تو وہ کچھ رکے لیکن والد کے اصرار پر انھوں نے دستاویزوں میں آگ لگا دی۔ جب وہ جل کر راکھ ہوگئیں تو والد نے ریشمی تہذیب منگوائی اور مختار صاحب سے کہا کہ دستاویزوں کی راکھ کو تسلے میں گھول کر تہذیب کو اس میں رنگ دو۔ اسی رنگی ہوئی تہذیب کی انھوں نے ہلکی ولائی بنوائی جسے وہ اوڑھا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ دلائی اتنے روپیوں کی ہے۔ اس زمانے میں قصبوں میں شعر و شاعری کا کافی رواج تھا والد صاحب بھی شاعری کرتے تھے اور عزیز تخلص کرتے تھے مگر صاحب دیوان نہیں تھے قصبے کے شیخ ابوالحسن صاحب شمیم سہالوی بڑے اچھے شاعر تھے اور صاحب دیوان بھی تھے مگر افسوس کہ ان کا دیوان شایع نہ ہو سکا والد کو انہی کی صحبت میں شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ عرفان عباسی صاحب نے تذکرہ شعراء اتر پردیش کے سلسلے میں والد صاحب شیخ عزیز الدین عزیز سہالوی پر ایک مضمون قومی آواز مورخہ ۲۱ فروری ۱۹۸۲ء میں شائع کرایا تھا جس میں ان کے کلام کا نمونہ اور مختصر حالات زندگی دیئے تھے۔

والد نے اپنی زندگی ہی میں جائداد، گھر اور گھر کا سامان اپنے چاروں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

لڑکوں میں تقسیم کر دیا تھا تاکہ ان کے انتقال کے بعد ان کے لڑکوں میں جائداد وغیرہ کے سلسلے میں جھگڑا نہ ہو ان کی اس دوراندیشی اور اللہ کے کرم سے ہم لوگوں میں جائداد کے سلسلے میں کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ انھوں نے اپنی تینوں لڑکیوں کے لئے دیوا کے قریب موضع گنگوارہ میں جائداد خریدی اور ان میں تقسیم کر دی گھر میں بھی ایک حصہ لڑکیوں کے لئے رکھا اپنے اور اپنی اہلیہ یعنی والدہ کے لئے جائداد کا ایک حصہ رکھا جسے انھوں نے وقف علی الخیرات کر دیا اور وقف نامے میں لکھ دیا کہ جب تک وہ زندہ رہیں وہ اس کے متولی رہیں گے اس کے بعد ان کی اہلیہ اس کے بعد ان کی اولاد میں جو لائق سمجھا جائے وہ اس کا متولی بنایا جائے وقف نامہ میں وضاحت تھی کہ اس جائداد کی آمدنی سے والد اور والدہ کا سالانہ فاتحہ کیا جائے اور باقی رقم مدرسہ قطبیہ پر صرف کی جائے۔ والدہ کی زندگی ہی میں وقف کی اکثر آراضی جو موضع دولت پور میں تھی نہر میں آگئی تھوڑی سی آراضی بچی تھی۔ محکمہ مال کے لوگوں نے دوسری جائداد کی طرح اس کا بھی معاوضہ بنا دیا جب مجھے معلوم ہوا تو میں نے عذرداری کر دی اور درخواست کی یہ وقف کی جائداد ہے اس کا معاوضہ نہیں بلکہ حکومت کی جانب سے اس کے بدلے میں ایک سالانہ رقم دی جانی چاہیئے جو وقف کے کاموں پر صرف کی جائے گی کافی دوڑ دھوپ کے بعد یہ سالانہ رقم (ANNUITY) مقرر ہو گئی جو مل رہی ہے۔

والد صاحب بڑے زمیندار تھے تحصیل اور ضلع کے جتنے حاکم تھے جب ادھر آتے تھے تو والد ہی کے یہاں ہوتے تھے والد کا زمینداری اور بینک کے مقدمات کے سلسلے میں اکثر کچہری جانا ہوتا تھا وہ اگرچہ وکیل نہیں تھے لیکن

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

انھیں وکیلوں سے زیادہ اس سلسلے میں معلومات تھے گاؤں اور جوار کے لوگ ان سے مشورہ لینے آیا کرتے تھے۔ مقدمات کی پیروی میں گاؤں کے ایک پنڈت جن کا نام اننت رام تھا والد کی مدد کیا کرتے تھے ان کا آنا جانا ہمارے یہاں کافی تھا۔ والد کے ساتھ رہنے کی وجہ سے مقدمات کے سلسلے میں انھیں بھی کافی تجربہ ہو گیا تھا۔ والد کے انتقال کے بعد لوگ انہی کے پاس صلاح مشورے کے لئے جایا کرتے تھے ہم لوگ انھیں اننت چچا کہتے تھے وہ بڑے وضعدار آدمی تھے انھوں نے آخر وقت تک ہم لوگوں سے تعلقات برقرار رکھے ہم لوگ بھی ان کا بڑا خیال کرتے تھے۔

انوکھی شادی

وہ دو بھائی تھے ان کی عمر اچھی خاصی ہو گئی تھی لیکن دونوں بھائیوں میں سے کسی کی شادی نہیں ہوئی تھی جس کی وجہ سے انھیں بڑی پریشانی تھی۔ وہ ہمیشہ شادی کی فکر میں رہتے سہالی کے قریب ایک گاؤں میں ایک پنڈت جی جن کا انتقال ہو گیا تھا ان کے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا تھا۔ لڑکا چھوٹا تھا لڑکیاں بڑی تھیں ان کی عمر بھی اچھی خاصی ہو گئی تھی مالی حالات اچھے نہیں تھے لڑکا اگرچہ بہنوں سے چھوٹا تھا لیکن اب وہی گھر کا مالک تھا۔ ہمارے چچا اننت رام نے اسے کسی طرح رام کر لیا اور وہ اپنی دونوں بہنوں کی شادی پنڈت اننت رام اور ان کے چھوٹے بھائی سے کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ بڑی بہن صورت شکل میں زیادہ اچھی نہیں تھی چھوٹی بہن اچھی تھی پنڈت اننت رام اسی سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ اور بڑی بہن کی شادی اپنے چھوٹے بھائی سے کرنے کا ارادہ رکھتے تھے ان کے چھوٹے بھائی پڑھے لکھے بھی نہیں تھے اور ان کے عقل بھی کم تھی وہ

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

خوشی سے بڑی بہن سے شادی کے لئے راضی ہو گئے

مگر اصل سوال لڑکیوں کی رضامندی کا تھا وہ شادی کے لئے راضی نہیں ہوئیں کیونکہ گاؤں والوں اور کچھ دیگر عزیزوں نے ان کی شادی لکھنؤ میں کہیں لگائی تھی۔ بھائی وہاں اپنی بہنوں کی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا وہ چاہتا تھا کہ اگر گاؤں کے قریب سہالی میں پنڈت اننت رام سے شادی ہوگی تو اسے مدد ملے گی اور جانے آنے میں بھی آسانی ہوگی لیکن پنڈت جی کی اس گاؤں کے لوگوں سے پرانی مخالفت چلی آ رہی تھی۔ گاؤں والوں نے چپکے چپکے لڑکیوں کی شادی لکھنؤ سے طے کر لی لیکن بھائی کو سن گن مل گئی اور اس نے پنڈت جی سے پورا حال بتا دیا۔

پنڈت جی اور لڑکیوں کا بھائی ابھی شادی کا منصوبہ بنا ہی رہے تھے کہ معلوم ہوا فلاں دن لکھنؤ سے برات آنے والی ہے پنڈت جی بڑے پریشان ہوئے وہ دوڑے ہوئے ہمارے بڑے بھائی کے پاس آئے حال بتایا اور کہا کہ بھائی راضی ہے پولیس والے میری مٹھی میں ہیں آگے جو ہوگا میں نپٹ لوں گا تم بھیا میری تھوڑی سی مدد کرو۔ تیس آدمی ایک فینس اور ایک ہاتھی کا انتظام کر دو بھائی جان کے لئے ان تینوں چیزوں کی فراہمی مشکل نہیں تھی ہمارا ایک گاؤں تھا جس میں پاسیوں کی بہت بڑی آبادی تھی جو لٹھ بند اور بہادر تھے جب کوئی ضرورت ہوتی تھی ہم لوگ انہی کو بلوا لیا کرتے تھے دو سپاہی اپنے گھر کے تھے۔ فینس کہیں مانگنی نہیں تھی گھر میں رکھی تھی۔ ہاتھی بھائی جان کے ایک جاننے والے کے یہاں تھا وہاں سے منگوا لیا گیا۔

عین اس دن جس دن لکھنؤ سے برات آنے والی تھی پنڈت جی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

خاموشی کے ساتھ رات آٹھ بجے کے قریب سہالی سے برات لے کر چلے بھائی جان گھر کے اندر لیٹے تھے جب وہ اندر چلے گئے تو ہمارے منجھلے بھائی، عبدالسلام صاحب سنجھلے بھائی عبدالحبیب صاحب بہنوئی رئیس احمد عرف اچھن میاں بھی چپکے سے ہاتھی پر بیٹھ کر پنڈت جی کی بارات میں شریک ہو گئے۔

پنڈت جی کی برات میں مشعلیں بھی تھیں باجے کا بھی انتظام تھا لیکن نہ مشعلیں جلائی گئیں اور نہ باجا بجایا گیا بلکہ بڑی خاموشی کے ساتھ برات لڑکیوں کے دروازے پہونچ گئی وہاں اس وقت انجوری بانٹی جا رہی تھی۔ وہاں پہونچتے ہی مشعلیں روشن کر دی گئیں باجا بجنے لگا لکھنؤ سے آئے براتی سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔ لڑکیوں نے دھڑ سے دروازے بند کر لئے۔ ہاتھی گھر کی دیوار سے لا کر کھڑا کیا گیا اور ہمارے آدمی چھت پر چڑھ کر گھر میں اتر آئے اور انھوں نے دروازے کھول دیئے۔ لڑکیوں کے بھائی نے پھر لڑکیوں کو سمجھایا لیکن وہ تیار نہیں ہوئیں تب ہمارے آدمی زبردستی انھیں باہر اٹھا لائے اور فینس میں بیٹھا دیا پنڈت جی سے کہا گیا آپ ان کے ساتھ فینس میں انھیں پکڑ کر بیٹھ جائیے مگر انھوں نے کہا یہ میرے قابو میں نہیں آئیں گی اس لئے دو تگڑے آدمی فینس میں لڑکیوں کو پکڑ کر بیٹھے اور برات باجے گاجے کے ساتھ واپس ہوئی برات کے ساتھ لڑکیوں کا بھائی بھی تھا۔

میں اور ایک اندھے حافظ جی جو والد کی قبر پر قرآن خوانی کرتے تھے گھر میں باہر لیٹے تھے ایک نوکر بھی تھا حافظ جی قصبہ دیوا کے رہنے والے تھے وہ اندھے تو تھے لیکن بڑے زوردار آدمی تھے ان کو اس نئے قسم کی برات سے بڑی دلچسپی تھی انھوں نے مجھ سے کہا کہ چھوٹے میاں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

برات واپس آرہی ہے چلئے پنڈت جی کے یہاں ہم لوگ بھی یہ جشن دیکھیں ہیں اور حافظ جی جب پنڈت جی کے یہاں پہونچے تو برات گھر پہونچ گئی تھی بھنوری گھمانے کا انتظام ہو رہا تھا لڑکیاں پنڈت جی اور ان کے بھائی کے ساتھ بھنوری گھومنے کے لئے تیار نہیں تھیں انھیں گود میں لے کر بھنوری گھمایا گیا اس طرح ہمارے انت چچا کی انوکھی شادی ہو گئی۔

دوسرے دن انت چچا کچھ گھبرائے ہوئے آئے اور انھوں نے بھائی جان سے کہا پتہ چلا ہے کہ لڑکیوں کے گاؤں والے میرے گھر پر حملہ کر کے لڑکیوں کو اٹھا لے جانے کا منصوبہ بنا رہے ہیں اس لئے بھیا ایک آدھ ہفتہ تم اپنی باہر والی کوٹھی کے پچھلے حصے میں ہم لوگوں کو ٹھہرنے کی جگہ دیدو بھائی جان نے کہا چچا یہ صرف افواہ ہے اس چھوٹے سے گاؤں کے لوگ ہمارے گاؤں آنے کی ہمت نہیں کر سکتے بہر حال اگر آپ کو وہاں ڈر لگ رہا ہے تو چلے آئیے ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے اس کے بعد وہ اور دونوں لڑکیاں ہماری کوٹھی میں منتقل ہو گئیں۔ پنڈت جی آدمی سمجھدار تھے انھوں نے لڑکیوں کی خوب خاطر مدارات کی اور ان کو رضامند کر لیا۔ ہمیں یاد ہے جب ہم لوگ اپنی چچی کے پاس جاتے تو وہ ہمیں مٹھائی کھلاتیں۔ ایک ہفتہ کے بعد حالات معمول پر آ گئے اور پنڈت جی اپنے گھر واپس گئے۔ اور خوش خوش زندگی بسر کرنے لگے۔

سہالی میں ہندو مسلمانوں کے تعلقات ہمیشہ اچھے رہے ہم لوگ شادی بیاہ تیج تہوار کو ایک دوسرے کے یہاں جاتے آتے رہتے وہاں کے بڑے زمینداروں میں پیارے لال، رگھو راج اور شیو راج تھے یہ ـــــ تینوں بھائی تھے اور ان کا مکان قصبہ کے پورب

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

میں تھا اور ہمارا مکان پچھم میں شیوراج بھائی میں لکھنؤ چلا آیا تب بھی جب یہاں آتے تو مجھ سے ضرور ملتے۔ اسی طرح رگھوراج بھائی کے ایک عزیز ڈاکٹر ترلوکی بھی ہمارے یہاں کافی آتے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ پھیراری لالہ، ننکو، ٹھاکر پرشاد، رگھونندن پرشاد اور جھنکا لالہ تھے ٹھاکر پرشاد اور رگھونندن لالہ پٹواری تھے اس لئے ہم لوگوں کا برابر سابقہ رہتا تھا۔ انہی کے محلے میں ایک لوہار رام آسرے بھی تھے ان کا ذکر اس لئے ضروری ہے کہ یہ شہر کے خاص آدمی تھے اور کافی تیز اور مفسد باز تھے ان کے متعلق عام طور پر مشہور تھا کہ ان کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی کشش ہے اور وہ جس عورت کو گھور کر دیکھ لیتے ہیں وہ ان پر لٹو ہو جاتی ہے۔ اس میں سچائی کہاں تک تھی میں کہہ نہیں سکتا مگر میں جانتا ہوں کہ ان کی ایک بیوی جو عمر میں ان سے بہت کم تھیں اور خوبصورت تھیں وہ ٹھکرائین تھیں۔ وہ بڑے اچھے کاریگر تھے کہا جاتا ہے کہ وہ پستول تک بنا لیتے تھے۔

پنڈتوں میں صرف دو ایک آدمیوں کے نام یاد ہیں وہ لوگ زمیندار نہیں کاشتکار تھے ان میں سے ایک بلدیو تھے جو میرے ساتھ اسکول میں پڑھتے تھے اور دوسرے بہادر تھے جو کچھ دنوں تک ہمارے یہاں سپاہیوں میں ملازم رہے تھے۔ اس موقع پر کنڈی والی کبھوجی کا ذکر نہ کرنا بڑا ظلم ہوگا وہ ہمارے یہاں کنڈے لاتی تھیں سانولی سلونی اچھے ناک نقشے کی تھیں ہم ان کے سب سے چھوٹے دیور تھے وہ ہم سے بہت مذاق کرتی تھیں بعد میں ان کی برادری میں تحریک چلی اور دوسرے گھروں میں عورتوں کا کنڈی وغیرہ لے جانا روک دیا گیا۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ہمارے گھر کے سامنے ایک چھڑی سی املی لگی تھی اس کے نیچے حاجی امام علی صاحب کا مکان تھا۔ ان کے ماشاء اللہ سے کافی لڑکیاں تھیں لیکن کوئی لڑکا نہ تھا جس سے وہ ملول رہتے تھے لیکن خوشی کی بات تھی ان کی سب لڑکیوں کی شادیاں اچھی جگہوں پر ہو گئی تھیں وہ ہمارے گھر کے کوئیں سے پانی بھرنے آتے اور ہمیں مجیب الدعوات کہا کرتے تھے ان کی بیوی بڑی نیک تھیں ہم ان کے یہاں جایا آیا کرتے تھے۔ ان کے بھائی محمد علی تھے ان کے ایک لڑکے جو کہ بھائی تھے ان کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے ابھی کچھ دن ہوئے میں سنبھالی گیا تھا تو ان کی بیوی نے جب سنا کہ میں آیا ہوں تو بیچاری بڑھاپے اور کمزوری کے باوجود ملنے آئیں ان سے مل کر مجھے بڑی خوشی ہوئی اور ایسا معلوم ہوا جیسے کہ اپنا کوئی بچھڑا عزیز مل گیا۔

ہمارے گھر سے ملے ہوئے گھر میں حافظ امتیاز علی اور ان کے بڑے بھائی حشمت علی رہتے تھے۔ وہ عام طور پر حافظ جی کہے جاتے تھے عید بقرعید اور جمعہ کی نماز وہی پڑھایا کرتے تھے وہ ہمارے قصبے کے پیش امام تھے لوگ ان کا بڑا خیال کرتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ صبح نماز اور تلاوت سے فراغت کے بعد اپنے بڑے سے چبوترے پر بیٹھ کر حقہ پیا کرتے تھے۔ ان کے بڑے بھائی جن کو عام طور پر لوگ بڑے بھائی کہتے تھے بہت سیدھے اور نیک آدمی تھے کھیتی وغیرہ کا کام وہی دیکھتے تھے۔ ایک مرتبہ حافظ جی کہیں گئے تھے جمعہ کا دن کا تھا۔ ان کی والدہ نے ان سے کہا کہ آج امتیاز نہیں ہیں تم جا کر جمعہ کی نماز پڑھا دینا وہ تھکے ماندے کھیت سے آئے تھے ان کے منھ سے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

بے اختیار نکلا وکھیت جان کھلیان جان سسر نماز پڑھا دے ہم ہن جان، اس پر سب ہنسنے لگے اور وہ نماز پڑھانے چلے گئے۔ حافظ امتیاز علی کے ایک صاحبزادے رشید ڈھاکے میں ہیں اور خوشی کی بات ہے بڑی اچھی حالت میں ہیں ان کی لڑکی کی شادی ان کے سالے آفاق صاحب کے لڑکے سے ہوئی ہے وہ جب ڈھاکے سے یہاں آتے ہیں تو اپنی سعادت مندی سے مجھ سے ملنے ضرور آتے ہیں۔ حشمت علی صاحب کی لڑکی توقیرن کی شادی بھنیارے کے حنیف قدوائی سے ہوئی تھی حنیف بڑے سعادت مند ہیں اور میرا بڑا لحاظ کرتے ہیں اس وقت ندوہ کے مختار ہیں اور مجھ سے برابر ملنے آتے ہیں۔

اکرام چچا اور انعام چچا کا مکان ہمارے مکان سے کچھ دور پر تھا انعام چچا بڑے دیندار آدمی تھے نماز روزے کے بڑے پابند تھے ان کے ایک لڑکے بنے تھے جن کا جوانی ہی میں انتقال ہو گیا انعام چچا کی لڑکی کی شادی ان کے بڑے بھائی اکرام چچا کے لڑکے اقبال انصاری کے ساتھ ہوئی جو آج کل علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اسلامک اسٹڈیز ڈپارٹمنٹ ـــــ میں ہیں۔ وارث پھوپھا بڑے پر مذاق آدمی تھے ان کے تین لڑکے تھے فیضو بھائی، ننھے بھائی اور پھکو بھائی، فیضو بھائی کانپور میں ملازم تھے اس لئے کانپور کے قیام میں میرا ان کے یہاں کافی جانا آنا تھا۔ ننھے بھائی کا جوانی ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ پھکو بھائی سہالی میں رہتے تھے اور ان کی وجہ سے گھر آباد تھا مگر وہ بڑھاپے میں اکیلے نہ رہ سکے اور اپنے لڑکے کے ساتھ مراد آباد چلے گئے جہاں وہ ملازم ہے جعفر چچا چھوٹی مسجد کے پاس رہتے تھے۔ ان کے دو لڑکے نذیر بھائی اور ظہیر بھائی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

تھے ظہیر بھائی مدرسہ قطبیہ سہالی میں جو والد نے قائم کیا تھا ہم لوگوں کو پڑھاتے تھے ہم ان سے اتنی محبت کرتے تھے کہ جب وہ نوکری کے سلسلے میں کانپور جانے لگے تو ہم لوگ رونے لگے۔ ایک دوسرا خاندان قاضیوں کا تھا قاضی ہادی حسن دادا اور ان کے چھوٹے بھائی قاضی مہدی حسن اور قاضی بنیاد حسن جو اپنی سسرال سید پور میں جاکر رہنے لگے تھے۔ قاضی ہادی حسن صاحب کا مکان ہمارے مکان سے ملا ہوا عالیشان مکان تھا جو اب کھنڈر ہو گیا ہے، ان کے بیٹے ننھو چچا ہم لوگوں سے بڑی محبت کرتے تھے ان کے صاحبزادے قاضی جمیل سیتاپور میں انکم ٹیکس کے مشہور وکیل ہیں بڑی محبت والے آدمی ہیں جب مل جاتے ہیں تو پرانی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ قاضی مہدی حسن صاحب کے تین لڑکے قاضی نور الحسن، قاضی مشکور الحسن اور قاضی ضمیر الحسن تھے۔ اب ان میں صرف قاضی ضمیر الحسن جمنے چچا زندہ ہیں۔ میرے بزرگوں میں تنہا وہی رہ گئے ہیں جب وہ مجھے نام لے کر پکارتے ہیں تو مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے کیونکہ اب نام لے کر پکارنے والوں میں وہ تنہا رہ گئے ہیں بڑے خوش اخلاق اور مہمان نواز ہیں۔ جب تک وہ سہالی میں رہے جو آتا انہی کا مہمان ہوتا وہ چاہے خود نہ کھاتے لیکن مہمان کی خاطر میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے۔ ماشاء اللہ سے ان کے لڑکے بڑے ہونہار نکلے اور سب بڑی اچھی جگہوں پر ملازم ہیں اب وہ بھی لڑکیوں کی تعلیم وغیرہ کے خیال سے سہالی سے لکھنؤ چلے آئے ہیں اب وہاں کے پہچاننے والوں میں چند ہی لوگ رہ گئے ہیں شاہد خلیفہ کا انتقال ہو گیا جو میری آمد کی خبر سن کر فوراً ملنے آتے اور پورے قصبے کی خبریں بتا دیتے تھے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اسی طرح سکھا جن کے ہمارے گھر سے پرانے تعلقات تھے وہ بھی حال ہی میں چل بسے۔ میراثیوں کے خاندان میں اب شاید صرف صدیق بھائی کا لڑکا سہالی میں رہتا ہے ورنہ سب لکھنؤ چلے آئے۔ سہالی کے میراثیوں کا فرنگی محل سے قدیم تعلق ہے جو اب بھی باقی ہے آخر میں شفیع حلوائی رہ گئے تھے جو میرے ساتھ مدرسہ قطبیہ میں پڑھتے تھے وہ ٹانگوں سے معذور ہو گئے تھے میں جب سہالی جاتا تو ان سے ملنے ضرور جاتا سہالی کی بالو شاہیاں جوار میں مشہور تھیں وہ ہمیں بالو شاہی کھلاتے۔ مگر وہ بھی داغِ جدائی دے گئے۔

ہمارے یہاں کے پرانے نوکروں میں کچھ لوگ باقی رہ گئے ہیں بفاتی جو فرزند علی بھائی (مختار) کے لڑکے تھے اور میرے نوکر تھے خوشی کی بات ہے کہ وہ ابھی زندہ ہیں وہ مجھ سے کچھ چھوٹے ہیں ان کے علاوہ بڑے بھائی عبدالعزیز صاحب کے یہاں امید علی، ان کا بھائی سخاوت منجھلے بھائی ڈاکٹر عبدالحبیب کے یہاں اور اس سے چھوٹا بھائی بشیر والد کے پاس نوکر تھے یہ سب بفضلہ ابھی تک زندہ ہیں۔ منجھلے بھائی کے پاس عبدالخالق نوکر تھا وہ بھی زندہ ہے ایک لڑکا ممتاز میرے ساتھ لکھنؤ آیا تھا وہ بھی رہا ہے۔ سپاہیوں میں صرف بدل پاسی زندہ ہیں۔ گرپرشاد جو ہمارے یہاں کچھ دن سپاہیوں میں ملازم رہا تھا کافی بہادر آدمی تھا ساتھ ہی ساتھ شورہ پشت بھی تھا وہ اپنی شورہ پشتی کی وجہ سے مار ڈالا گیا۔ جب سہالی جانا ہوتا ہے تو ہمارے یہاں کے قدیم ملازم بڑی محبت سے ملنے آتے ہیں۔

ہماری منجھلی پھوپھی کے شوہر عاشق حسین پھوپھا بسارہ کے زمیندار تھے اور ریاست محمود آباد میں ضلعدار بھی رہے تھے ان کے حالات بہت

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اچھے تھے وہ آم اور خربوزہ کی فصل میں ہمارے یہاں آم اور خربوزے بھیجا کرتے تھے ہمارے والد بھی یہاں سے تحفے تحائف بسارہ پھوپھی کے یہاں بھیجتے تھے اسی سلسلے میں وہاں کے چھیدا نائی سہالی آیا کرتے تھے اور دو، دو چار، چار روز یہاں رہتے تھے۔ ہمارے یہاں گھوڑی پلی تھی ایک دن ہمارے والد نے مذاق میں چھیدا سے کہا بیٹا اپنی مادر مشفقہ کی ناد میں پانی ڈال دو ساتھ ہی ساتھ گھوڑی کی طرف اشارہ کیا چھیدا سمجھے کہ گھوڑی کو مادر مشفقہ کہا جاتا ہے اور انھوں نے ناند میں پانی ڈال دیا دو دن کے بعد وہ اپنی گھوڑیا پر بیٹھ کر بسارہ واپس جا رہے تھے کہ کرسی کے پاس وہاں کے ایک میاں پیدل آتے ہوئے ملے چھیدا نے اپنی قابلیت کے اظہار کے لئے ان سے پوچھا کیا آپ کے مادر مشفقہ نہیں ہیں۔ انھوں نے کہا ہیں کیوں نہیں چھیدا بولے تو پھر آپ اس پر سوار کیوں نہیں ہوتے یہ سنتے ہی وہ آگ بگولا ہو گئے اور گالی دیتے ہوئے چھیدا کی طرف لپکے۔ چھیدا گھوڑی کو سرپٹ بھگا کر بسارہ آ گئے۔ دوسرے دن کرسی کے میاں پھوپھا کے پاس آئے اور انھوں نے شکایت کی اور کہا تمہارا نائی چھیدا بڑا بد تمیز ہے پھر پورا قصہ بتایا پھوپھا نے فوراً چھیدا کو بلایا اور ڈانٹ کر کہا تم نے ان سے یہ کیوں کہا کہ آپ اپنی مادر مشفقہ پر سوار کیوں نہیں ہوتے۔ تب چھیدا نے بتایا کہ سہالی میں بساون میاں (والد کی عرفیت بساون تھی) نے مجھ سے کہا تھا چھیدا اپنی مادر مشفقہ کی ناند میں پانی ڈال دو، میں سمجھا میاں لوگ گھوڑی کو مادر مشفقہ کہتے ہیں اس لئے میں نے میاں سے پوچھا تھا کہ آپ مادر مشفقہ پر سوار کیوں نہیں ہوتے یہ سن کر کرسی کے میاں اور پھوپھا سب لوگ ہنسنے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

لگے اور پھوپھا نے کہا یہ بھائی بساون کی حرکت ہے۔
کھیوں والے ہمارے پھوپھا عبداللہ والی بڑے سیدھے آدمی تھے وہ ہمارے یہاں برابر آیا جایا کرتے تھے۔ ایک دن ان کے سر میں درد تھا انھوں نے والد سے کہا بھائی بساون سر میں لگانے والا تیل دو سر میں درد ہو رہا ہے والد نے کہا تیل اس وقت نہیں ہے منگا دیا جائے گا۔ یہ بات اندر ہو گئی تھی پھوپھا باہر کسی کام سے گئے وہاں کمرے کی الماری کھولی تو دیکھا شیشی میں بھرا تیل رکھا ہے یہ بڑبڑائے اور کہا بساون بھائی نے مجھے بہکا دیا تیل سے بھری شیشی الماری میں رکھی ہے اور کہہ دیا تیل نہیں ہے پھر جلدی سے شیشی اٹھائی اور سر پر تیل انڈیل لیا۔ اور ملتے ہوئے اندر گئے اور والد سے کہا کہ باہر الماری میں تیل رکھا تھا بساون بھائی نے کہہ دیا تیل نہیں ہے والد نے سنا تو فوراً آئے اور کہا ارے تم نے کیا غضب کیا یہ تیل نہیں پیشاب ہے حکیم صاحب کے پاس فتحپور بھیجنے کے لئے رکھا تھا اس کے بعد انھوں نے بتایا کہ بھنگی آج ملا نہیں اس لئے میں نے قارورہ کی شیشی کے بجائے عام شیشی میں پیشاب کر کے پاہی کے ہاتھ بھیجنے کے لئے اسے رکھ دیا تھا اور حکیم صاحب کو کہہ دیا تھا کہ لانے والے کو یہ نہ بتائیں کہ یہ پیشاب ہے۔ اس کے بعد سب لوگ ہنسنے لگے والدہ نے پھوپھا کے نہلانے کا فوراً انتظام کرایا اور کپڑے بدلوائے۔
جیسا آج کل گھریلو ملازموں کا کال ہے پہلے بالکل نہیں تھا ہمارے یہاں اندر اوپر کا کام کرنے کے لئے اجیالی اور منجھلی دو نوکرانیاں تھیں کھانا پکانے کے لئے عبدالرحیم تھے باہر کے کام کے لئے ایک لڑکا انگنو تھا۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ڈیوڑھی پر قربانی نامی ایک سپاہی رہتے تھے ان کے چلے جانے کے بعد بھی جس کمرے میں وہ رہتے تھے بہت دنوں تک وہ کمرہ قربانی کے کمرے کے نام سے پکارا جاتا رہا۔ ہمارے یہاں یہ دستور تھا کہ ہم لوگ گاؤں کے اندر بھی اگر کہیں جاتے تھے تو اکیلے نہیں جاتے تھے بلکہ کوئی سپاہی ساتھ جاتا تھا۔ یہ رواج خاتمہ زمینداری کے پہلے تک جاری رہا اس کے بعد ڈیوڑھی پر سپاہی رکھنے کی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔ بھائی جان عبدالعزیز جن کو مولانا میاں بھی کہا جاتا تھا زمینداری ختم ہونے کے بعد کسی کام سے بازار کی طرف گئے ان کے ساتھ سپاہی نہیں تھا وہ اکیلے تھے انھیں دیکھ کر قریب بیٹھی عورتوں نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ اب ای دن آئے گئے کہ مولانا میاں اکیلے بازار آئے ہیں۔ یعنی اب ایسے دن آ گئے ہیں کہ مولانا میاں بغیر سپاہی کے بازار آئے ہیں۔ یہ سن کر بھائی جان کے دل کو چوٹ لگی۔ مگر جیسے حالات ہوں ویسے رہنا پڑتا ہے۔

ہم لوگوں کا ایک گاؤں تھا جس کا نام فتاح پور تھا لیکن عام طور پر اس کو فتہا پور کہا جاتا تھا۔ اس میں زیادہ آبادی پاسیوں کی تھی۔ وہاں کے لوگ تین پشت سے پشت بھی تھے وہاں کے ایک بااثر بوڑھے پاسی گیادین کو نوکر رکھ لیا گیا تھا ہم لوگ ان کو گیادین دادا کہتے تھے وہ وہاں ہمارے باغ وغیرہ کی دیکھ بھال کرتے تھے وہ روزانہ ہمارے یہاں نہیں آتے مگر جب وہ آتے تھے تو ہم لوگوں کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور لاتے تھے جیسے گنا، گاجر، چھیمی، چھوٹی ککڑی وغیرہ جب گنا کولہو میں پیرا جاتا تھا اور گڑ بنایا جاتا تھا تو ہم لوگوں کے لئے تازی گڑ کی بھیلی لاتے تھے بڑے مزے کی ہوتی تھی اس کا مزا آج تک یاد ہے۔ ہم لوگ ان کے آنے کا انتظار

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کیا کرتے تھے اور ان کو دیکھ کر گیا دین دادا کہہ کر دوڑتے تھے۔ وہ ساون کے مہینے میں جھولا ڈالنے کے لئے گاؤں بھر سے برا رہ یعنی بڑی موٹی کا بٹا ہوا موٹا رسا لاتے تھے اور پھاٹک کے پاس والی نیم میں جھولا ڈالتے تھے ہم لوگ جھولے پر خوب پینگیں لگاتے اور خوش ہوتے تھے ہم انھیں بہت چاہتے تھے ان کے مرنے کا ہمیں بڑا رنج ہوا تھا۔ اب بھی جب میں تھاپور جاتا ہوں تو ان کے گھر کی طرف میری نظریں ضرور اٹھ جاتی ہیں جیسے کہ انھیں تلاش کر رہی ہوں ان کے کوئی لڑکا نہیں تھا اب ان کے داماد کا ایک عزیز اس گھر میں رہتا ہے۔

ہمارے یہاں بھائی جان کے بچپن میں دیوا کے کلو پہلوان بھی نوکر تھے۔ بھائی جان نے ان کی بیوی کا دودھ پیا تھا۔ بھائی جان ان کو بچپنے میں آؤ کہہ کر پکارتے تھے بعد کو ہم سب لوگ ان کو آؤ کہنے لگے۔ وہ بڑے وضعدار آدمی تھے اگرچہ وہ ہمارے یہاں سے چلے گئے تھے اور لالہ پور میں کسی کے یہاں ملازمت کر لی تھی مگر سال میں دو تین مرتبہ ہمارے یہاں ضرور آتے تھے انھوں نے پرانے تعلقات آخر وقت تک قائم رکھے ہم لوگ بھی ان کا بڑا لحاظ کرتے تھے۔

ہماری چھوٹی پھوپھی سہالی میں رہتی تھیں ہم لوگ ان کے یہاں برابر جایا کرتے تھے وہ ہم لوگوں کو پرانے زمانے کے قصے سنایا کرتی تھیں ایک دلچسپ قصہ اب تک یاد ہے سہالی میں محرم کی آٹھویں تاریخ کو قریب کے گاؤں سے علم آتے تھے پورے گاؤں میں گشت کرتے تھے جگہ جگہ سبیلوں کا انتظام ہوتا تھا۔ اس دن کافی مجمع ہوتا تھا قرب و جوار

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

میں سنبھالی کا آٹھویں مشہور تھی ہمارے گھر کے سامنے سے جب علم گذرتے تھے تو ہمارے یہاں کھچڑا تقسیم کیا جاتا تھا کھچڑا بڑی دیگوں میں بڑے اہتمام سے ہمارے یہاں سے مختار فرزند علی بھائی پکواتے تھے پکنے کے بعد وہ کسیوں میں تقسیم کرنے کے لئے رکھا جاتا تھا وہ کوری کسیوں میں میں ٹھنڈا ہو کر جم جاتا تھا تو بڑا مزے دار لگتا تھا اس میں ایک قسم کا سوندھا پن آجاتا تھا عرصہ گذر گیا لیکن اس کا مزا اب تک یاد ہے۔

پھوپھی نے بتایا کہ آٹھویں کے دن برادری کے لڑکے ہمارے یہاں جمع ہو جاتے تھے کھچڑا کھاتے تھے اور علم دیکھتے تھے دو بھائی تھے جن کی عمریں دس بارہ برس کی ہوں گی بڑا بھائی بڑے پائینچے کا پائجامہ پہنتے تھا چھوٹا بھائی گھر میں جانگھیا پہنے بیٹھا تھا سنبھالی سے ملے ہوئے گاؤں روضہ میں جب علم آگے ڈھول اور تاشے کی آواز سنائی دی تو بڑا بھائی ہمارے یہاں آنے کے لئے بھاگا اسے دیکھ کر چھوٹا بھائی بھی دوڑا بڑے بھائی نے کہا تم جانگھیا پہنے کیسے جاؤ گے مگر چھوٹا بھائی نہ مانا اور ساتھ چلنے کے لئے ضد کی تو بڑے بھائی نے اپنی دونوں ٹانگیں ایک پائینچے میں کر لیں اور چھوٹے بھائی سے کہا آ دوسرے تو ہوا ہی میں آجا چھوٹے بھائی نے دوسرے پائینچے میں اپنی دونوں ٹانگیں ڈال دیں اور ازار بند باندھ لیا۔ اب دونوں بھائی ملے چپکے چپکے چلنے لگے جب اس حال میں یہ دونوں ہمارے یہاں گھر کے اندر پہونچے تو ہماری پھوپھی دیکھ کر ہنسنے لگیں اور کہا یہ کیا ہے؟ بڑے بھائی نے کہا یو سسر اننا ننگے نہیں کیا تو ہم کہیں تو پھوپھی ماں آکے جا۔ اس زمانے میں بھائیوں میں کتنی محبت ہوتی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ہمارے یہاں سے دادا قاضی مہندی حسن کے یہاں سے بہت زیادہ تعلقات تھے ان کے سب سے چھوٹے بیٹے قاضی ضمیر الحسن ہمارے سنجھلے بھائی عبد الحسیب صاحب کے قریب قریب ہمعصر تھے اور ان کی چھوٹی بہن جن کا نام خلیق تھا مجھ سے صرف چھ دن بڑی تھیں میں انھیں خلّے پھوا کہتا تھا قضیائن دادی کے یہاں ہم لوگ برابر جایا کرتے تھے ان کا بڑا سا مکان تھا محرابدار دروازہ بنا تھا باہر کمرہ تھا اندر جانے کے لئے دو ڈیوڑھیاں تھیں دوسری ڈیوڑھی میں اونچے سے پلنگ پر دادی مسند لگائے اور بغل میں ڈنڈا رکھے بیٹھی رہتی تھیں ان کے بال بڑی بڑی سفید لٹیں پڑی تھیں ہم لوگ ان سے بہت ڈرتے تھے۔ جب ہم دادی کے یہاں جاتے تو بطخیں کڑوں کڑوں کرکے ہماری طرف دوڑتیں تو دادی انھیں ڈنڈا دکھا کر بھگا دیتیں خلّے پھوا مجھ سے صرف چھ دن بڑی تھیں مگر رشتے میں پھوا تھیں اس وجہ سے میں انھیں پھوا کہتا تھا دادی کہا کرتی تھیں شاید خلیق چھ دن پہلے اسی لئے پیدا ہوگئیں کہ بڑا پن قائم رہے۔ خلّے پھوا مزاج کی بڑی اچھی تھیں ان کی شادی مونگیر میں ہوئی تھی مگر ان کا انتقال جوانی ہی میں ہوگیا ماشاء اللہ سے ان کے لڑکے بڑے مزے میں ہیں وہ اب تک مجھے یاد آتی ہیں۔ قضائن دادی بڑی بہادر مہمان نواز اور ہمدرد تھیں۔ جب گاؤں میں طاعون پھیلتا تو لوگ گاؤں سے دوسری جگہوں پر چلے جاتے بھاگنے والوں میں پہلا نمبر قوال صاحبان کا ہوتا اس کے بعد اور لوگ جاتے ہم لوگ بھی اپنے گاؤں فتاح پوریا اپنے بڑے بہنوئی غلام حسین صاحب کے یہاں روہلی گاؤں چلے جاتے تھے لیکن

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

قضائن دادی اور ان کے لڑکے کہیں نہیں جاتے بلکہ بیماروں کی دیکھ بھال کرتے تھے اب قریب قریب سب اللہ کو پیارے ہو گئے صرف بچے چچا زندہ ہیں۔

بہت سی باتیں ذہن سے نکل گئیں جو یاد آتی ہیں بے ترتیب یاد آتی ہیں بڑے بہنوئی غلام حسین صاحب بڑے دلچسپ آدمی تھے عید کا دن تھا شاید اسی دن یا اس کے آس پاس ہولی بھی تھی یہ لکھنؤ سے آئے بھائی جان سفید سلک کی نئی شیروانی پہنے تھے یہ عید ملے اس کے بعد پچکاری نکال کر برا نہ مانو ہولی ہے کہتے ہوئے رنگ ڈال دیا پوری شیروانی ستیاناس ہو گئی بھائی جان کو ظاہر ہے برا تاؤ آیا لیکن نازک رشتہ تھا دل ہی دل میں کھول کر رہ گئے زبان سے کچھ نہ کہا اور لوگوں کو بھی یہ مذاق برا لگا مگر غلام حسین بھائی کھڑے مسکراتے رہے تھوڑی دیر بعد شیروانی پر کا رنگ غائب ہونے لگا اور آخر میں شیروانی پہ پانی کے دھبے کے سوا رنگ کا نام نشان نہ رہا۔ یہ معجزہ دیکھ کر سب ہنسنے لگے۔

غلام حسین بھائی کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ جب آتے تھے تو دوسرے ہی دن جانے کے لئے تیار ہو جاتے تھے روکنے کے باوجود نہ رکتے تھے اور ناشتے کے بعد شیروانی پہن کر اسٹیشن سونڈھیا منو جانے کے لئے روانہ ہو جاتے تھے راستے میں قضائن دادی کا گھر پڑتا تھا وہاں جاتے اور بیٹھ کر پچیسی کھیلنے لگتے اس زمانے میں پچیسی اور گنجیفے کا بڑا رواج تھا دوپہر کو گھر آتے کہتے گاڑی چھوٹ گئی بعد کو سب لوگ ان کی اس عادت سے واقف ہو گئے تھے، اس لئے جاتے وقت زیادہ روکتے نہیں تھے اور

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

دوپہر کے کھانے پر ان کا انتظار کرتے۔

بڑی بہن ہاجرہ جن کے لڑکے افتخار ندوہ میں منفرد ہیں غلام حسین بھائی کو بیاہی تھیں۔ دوسری دو بہنوں فاطمہ بجیا اور صغریٰ اپی کی شادی محی الدین پور ٹانڈہ کے خورشید حسین خاں کے دونوں لڑکوں رئیس احمد خاں اور اقبال احمد خاں سے لگی ہمارے یہاں کے مختار فرزند علی بھائی رہن سہن اور گھر بار دیکھنے گئے ان کی خصوصیت یہ تھی کہ جہاں جاتے جھانکتے ضرور تھے والد نے سمجھایا دیکھو بیٹا خاں صاحبان کا معاملہ ہے وہاں جھانک تاک نہ کرنا۔ خورشید حسن خاں کا تعلق خانزادوں کے خاندان سے تھا یہ لوگ شیخ ہوتے ہیں لیکن اپنے کو خان لکھتے ہیں خورشید حسن خاں حقے کے بڑے شوقین تھے اور چلم اپنے ہاتھ ہی سے بھرتے تھے وہ چلم بھرنے اندر گئے فرزند علی بھائی کو موقعہ مل گیا اور وہ ڈیوڑھی میں پہونچ گئے اور پکارنے سے پہلے پردہ ذرا سے کھسکا کر جھانک لیا اس کے بعد پکار کر کہا کوئی آپ سے ملنے آیا ہے محی الدین پور سے فرزند علی بھائی واپس آئے تو اور حالات بتانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا کہ خاں صاحب کے گھر میں لڑکی کے سوا عورتوں میں اور کوئی نہیں ہے لڑکی اپنے بھائی اقبال احمد عرف بنن میاں کو پڑی ہے وہی شکل وصورت ویسا ہی لمبا قد والد نے پوچھا تم نے لڑکی کو کیسے دیکھ لیا اس پر وہ مسکرائے۔ میاں جان یعنی والد نے کہا فرزند علی تم تاک جھانک کب چھوڑو گے بال کھچڑی ہو رہے ہیں اور تمہارا حال وہی ہے فرزند علی بھائی بچپن سے ہمارے یہاں ملازم تھے والد ہی نے انھیں پڑھایا لکھایا اور مختاری کا کام سپرد کر دیا وہ ایک طرح

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

سے گھر کے ایک فرد ہو گئے تھے اور گھر کے تمام کاموں کی ذمہ داری ان پر تھی وہ ہمیشہ دھوتی باندھتے تھے بند گلے کا کوٹ پہنتے تھے اور پٹے رکھاتے تھے۔ گھر پہ عام طور پر دھوتی، کرتا اور کھڑاؤں پہنتے تھے اور بڑے مزے میں کھڑاؤں پہن کر چلتے تھے۔ ان کے بعد ان کے چھوٹے لڑکے بفاتی نے ہمارے زمانے میں کام شروع کر دیا والد کا انتقال ہو چکا تھا جائداد چاروں بھائیوں میں تقسیم ہو چکی تھی دونوں بڑے بھائیوں اور تینوں بہنوں کی شادی ہو چکی تھی والدہ زندہ تھیں وہ ہم دونوں چھوٹے بھائیوں کے ساتھ رہتی تھیں ہم دونوں کے حصے میں فتاح پور گاؤں اور چھوٹا حصہ اور گاؤں میں آیا تھا باوجود ہماری کوشش کے بفاتی نے پڑھا لکھا نہیں اب مختاری کا کوئی کام رہا نہیں تھا صرف لگان وصول کرنے کا کام تھا اس کی یاد بہت اچھی تھی اسے ہم لوگ جو لگان بتا دیتے وہ جا کر وصول کر لاتا اور آکر گھر پر لکھا دیتا۔ بڑا بے عذر اور سیدھا آدمی ہے مگر اس میں ایک خاص بات تھی وہ یہ کہ جب تک ہمارے سامنے رہتا بڑی مستعدی سے کام کرتا رہتا۔ لیکن ہمارے لکھنؤ چلے آنے کے بعد وہ سب کام بھول جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ہم نے باہری کمرے کے سامنے صفائی کرائی جھانکر کا کھرارہ دروازے کے پاس پڑا تھا جب ہم لکھنؤ آنے لگے تو ہم نے کہا بفاتی اسے اندر رکھا دینا۔ مگر ہمیں یقین تھا کہ وہ اسی جگہ پڑا رہے گا اور جب ہم آئیں گے یا آنے والے ہوں گے تب بفاتی اسے اٹھائیں گے چنانچہ یہی ہوا کہ جس دن ہم سہالی پہونچنے والے تھے اسی دن بفاتی نے کھرارہ اٹھا کر اندر رکھا وہ بچپن سے ہم لوگوں کے ساتھ رہا ہے اس لئے ہم لوگوں سے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

بڑی محبت کرتا ہے اب جب کبھی ہمارا سہالی جانا ہوتا ہے ہمارے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ اس سے پرانے زمانے کی یادیں وابستہ ہیں۔

ہم جب سہالی جاتے ہیں تو فتاح پور ضرور جاتے ہیں یہ گاؤں مجھے اور میرے سنجھلے بھائی عبدالحبیب صاحب کو حصے میں ملا تھا اس گاؤں میں ہم نے ایک قلم باغ لگوایا تھا۔ جسے خاتمہ زمینداری کے بعد بیچ دیا گیا مگر وہ اب تک لگا ہوا ہے اس میں ہم نے اپنے ہاتھ سے آم اور امرود کے پیڑ لگائے تھے چمن بندی کرا کے روش کے کنارے کنارے بیلا لگوایا تھا گرمیوں میں اس کے پھول کی خوشبو دور دور تک پھیلی رہتی تھی اب بھی پھول کھلتے ہیں خوشبو پھیلتی ہے مگر ہم کوسوں دور شہر میں ہیں وہ خوشبو ہم تک نہیں پہونچ پاتی لیکن تصور میں ہم وہاں پہونچ جاتے ہیں اور سب یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ اس گاؤں میں پاسیوں کی آبادی ہے مسلمانوں کا صرف ایک گھر ہے وہ کنّو نائی کا گھر ہے ہم لوگ جب جاتے تھے اسی کے یہاں بیٹھتے تھے وہ بڑا نیک اور محنتی آدمی تھا اس کے پاس زیادہ زمین نہیں تھی لیکن وہ اپنی محنت سے کافی پیدا کر لیتا تھا اس کا مکان صاف ستھرا تھا بکریوں کے علاوہ گائے بھینس پالے تھا۔ گاؤں کے لوگ اسے بہت مانتے تھے اور اس کا لحاظ کرتے تھے اپنے جھگڑے اسی سے چکاتے تھے اس کی بیوی بھی بڑی سلیقہ مند تھی جیسے ہی لوگ جاتے فوراً چارپائی پر قالین لا کر بچھا دیتی اور بغیر کھانا کھلائے واپس نہیں آنے دیتی مگر اب نہ کنّو رہ گئے اور نہ ان کی سوگھڑ بیوی۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

جب کانگریس کا زور ہوا تو اسی کے ساتھ ساتھ یہ خبریں بھی آنے لگیں کہ کانگریس زمینداری نظام کے خلاف ہے اور اقتدار میں آنے کے بعد وہ پہلا کام اسے ختم کرنے کا کرے گی تو ہمارے بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالحبیب صاحب کو فکر ہوئی اور انھوں نے بطور احتیاط اپنی بیوی منور جہاں اور میری بیوی اختر جہاں کے نام دو سو بیگھہ خام کا پٹہ کر دیا اس زمانے میں زمیندار خود پٹہ کر سکتا تھا پٹواری کے ذریعہ دونوں کا نام کاشتکاروں میں لکھ دیا گیا تاکہ خاتمہ زمینداری کے بعد ان کی اس آراضی سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ خاتمہ زمینداری کے بعد واقعی اس آراضی سے ہم لوگوں کو کافی فائدہ رہا یہ آراضی اچھے لگان پر شکمی طور پر کاشتکاروں کو دیدی گئی کافی دنوں تک یہی صورت رہی لیکن کانگریس حکومت نے ادھواسی قانون کے ذریعہ شکمی کاشتکاروں کو اصلی کاشتکار بنا دیا اور اصلی کاشتکاروں کو معمولی معاوضہ دیدیا اس طرح یہ آراضی بھی نکل گئی مگر کچھ شکمی کاشتکاروں کا اندراج پٹواری کے کاغذات میں نہیں تھا وہ آراضی بچ گئی یہ آراضی قریب پچاس بیگھہ نام تھی اس موقعہ پر اہیرن پاسی کا ذکر نہ کرنا بڑا ظلم ہوگا۔ ہم لوگوں نے جن کاشتکاروں کو آراضی شکمی پر دی تھی ان سے وعدہ کرا لیا تھا کہ جب کوئی جانچ ہو تو وہ کہہ دیں کہ یہ آراضی ہم کھیا کی طرف سے کاشت کرتے ہیں ہم شکمی کاشتکار نہیں ہیں مگر جب جانچ ہوئی تو سب نے اپنے کو شکمی کاشتکار بتا کر اپنا نام درج کرا لیا صرف اہیرن پاسی تنہا ایسا آدمی تھا کہ اس نے اپنے وعدے کی پابندی کی اور اپنا نام شکمی کاشتکاروں میں لکھنے نہیں دیا اور ہم سے اگر بتا بھی گیا ہم نے اس سے زمین نہیں لی اور وہ بدستور اس پر کاشتکاری کرتا رہا۔ پچاس بیگھہ آراضی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

بچ گئی تھی بٹائی پر دیدی لیکن بٹائی پر دینا بھی خطرے سے خالی نہیں
تھا وہ بھی کسی وقت نکل سکتی تھی اس لئے خود کاشت کرانے کا
انتظام کیا اور بفاتی کو بیل اور دوسرا اساماں فراہم کر دیا لیکن بفاتی
زمینداری کے زمانے میں تحصیل وصول کا کام کرنے کے عادی تھے وہ
کاشتکاری کا محنت والا کام ٹھیک سے نہ کر سکے بیل دبلے ہو کر مرنے
کے قریب ہو گئے اور پیداوار اتنی بھی نہیں ہوئی جتنی بٹائی میں ہوتی
تھی زمین پھر بٹائی پر دیدی مگر وہاں سے غلہ لکھنؤ لانے میں بڑی زحمت
ہوتی تھی اور صرف بھی کافی ہو جاتا تھا۔ ہم نے وہ آراضی بٹائی
والے کاشتکاروں کے ہاتھ فروخت کر دی۔ مگر ایک کاشتکار جس کا
نام براتی تھا اس کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ آراضی خرید سکتا اس نے
کہا کہ میں اپنے لڑکے کے ذریعہ بٹائی کا غلہ آپ کے گھر لکھنؤ پہنچا دیا کروں
گا وہ بڑا نیک آدمی تھا وہ برابر غلہ ہمارے یہاں پہنچاتا رہا تھوڑے
دنوں کے بعد اس کا لڑکا لیکھ پال ہو گیا اور اس نے بھی آراضی خرید لی
آخری مرتبہ جب وہ بٹائی کے گیہوں ہمارے یہاں لایا تو ہم نے
زمینداری کی آخری نشانی کے طور پر تھوڑے گیہوں پلاسٹک کی
ایک ڈبیا میں محفوظ کر لئے جو ابھی تک میرے بکس میں رکھے ہیں
سہالی کے پاس مناجو پور میں ہمارا ایک قلم باغ تھا جسے ہم
نے اس لئے نہیں بیچا تھا کہ آم کھانے کے بہانے ہی ہمارے لڑکے سال
میں ایک مرتبہ سہالی چلے جایا کریں گے لیکن اللہ کی کرنی ایسی کہ اس
جگہ نہر نکلی اور پورا باغ اس میں آ گیا اور زمینداری کی یہ نشانی بھی
ختم ہو گئی اب سہالی میں ہمارا لکھوری اینٹ کا بنا بڑا سا مکان ہے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

جس کا صرف بیچ کا پھاٹک باقی رہ گیا ہے جس میں میں نے یادگار کے لئے مجیب منزل کا پتھر لگوا دیا ہے ہمارے گھر بارہ دری میں اس وقت ہمارا بھتیجا قیام الدین قدوائی رہتا ہے یہ ہمارے منجھلے بھائی عبدالسلام صاحب کی دوسری بیوی کا لڑکا ہے ان کی پہلی بیوی سے ایک لڑکی مسیح ہے جس کو بڑھن پور میں ہمارے ددھیالی خاندان میں بیاہی ہے بڑھن پور ہمارے دادا عباس کے تیرہ صدر الدین پور کے پاس ہے تیرہ میرا جانا صرف ایک مرتبہ بچپن میں ہوا تھا وہاں ایک مرتبہ پھر جانے کی تمنا ہے دیکھئے پوری ہوتی ہے کہ نہیں۔

ہمارے بھائی اپنے کو قدوائی لکھتے تھے اس پر ہماری چھوٹی پھوپھی کہا کرتی تھیں کہ کھائیں گے نانا کا کہلائیں گے دادا کے، یعنی ہم لوگ اپنے والد کی ماں نصیب النساء کی جائداد پر قابض ہیں جو انصاری تھیں مگر اپنے دادا عباس کی وجہ سے اپنے کو قدوائی لکھتے ہیں جو تیرہ کے رہنے والے تھے اور قدوائی تھے۔ میں نے قدوائی اور انصاری کے جھگڑے میں پڑنا مناسب نہ سمجھا اور اپنے وطن سہالی کی نسبت سے اپنے کو سہالوی لکھنے لگا۔

ہماری والدہ وزیر النساء نے والد کے انتقال کے بعد اپنی سسرال کے عزیزوں کے ساتھ بڑا اچھا برتاؤ رکھا یہی وجہ ہے کہ اب تک تعلقات باقی ہیں بسارہ والی پھوپھی، پھوپھا عاشق حسین اور ان کے لڑکے اطہر حسین برابر سہالی آتے جاتے رہتے تھے اسی تعلق کی بنا پر میری شادی میری پھوپھی زاد بہن منی بجیا کی لڑکی اختر جہاں سے ہوئی۔ منی بجیا بڑی محبت کرنے والی خاتون تھیں وہ زندگی بھر دوسروں کے ساتھ ہمدردی کرتی رہیں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

حالانکہ ان کے حالات اچھے نہیں تھے ان کے شوہر کا انتقال جوانی ہی میں ہو گیا تھا اور وہ اپنے والد کے پاس رہتی تھیں مگر اس کے باوجود انھوں نے اپنے لڑکوں ظہیر اور نصیر کو تعلیم دلوائی۔

ہماری والدہ نے والد کے انتقال کے باوجود میری اور میرے بھائی ڈاکٹر عبدالحسیب صاحب کی تعلیم کا خیال رکھا اور انہی کی کوششوں اور دعاؤں سے ہم لوگ اس لائق ہوئے وہ بڑی وضع دار بی بی تھیں والد بنارس سے تمباکو کے ایک کارخانے سنگنی ساہو کے یہاں سے تمباکو کی گولیاں منگوایا کرتے تھے والد کے انتقال کے بعد والدہ اسی کارخانے سے تمباکو منگواتی رہیں مجھے یاد ہے کہ والدہ نے ایک مرتبہ کسی وجہ سے کچھ دنوں تک بنارس سے تمباکو نہیں منگوائی تو کارخانے کی طرف سے دریافت خیریت کا خط آیا والدہ نے جواب دیا کہ سب خیریت ہے اور ساتھ ہی ساتھ تمباکو بھیجنے کو لکھا ہم لوگ جب بیمار پڑتے تو وہ رات رات بھر نہ سوتیں اور ہر طرح سے آرام پہونچانے کی کوشش کرتیں مجھے کنٹھ مالے کی شکایت ہو گئی تھی اس میں گوشت اور مچھلی وغیرہ سے پرہیز تھا انھوں نے میرے کھانے کا ایسا انتظام کیا کہ پرہیز بالکل نہیں کھلا۔ وہ زیادہ پڑھی لکھی نہیں تھیں مگر انھیں پڑھنے کا بڑا شوق تھا قصص الانبیاء داستان امیر حمزہ اور گل بکاولی کی پھٹی ہوئی جلدیں بستے میں بندھی عرصہ تک تابداں پر رکھی ان کی یاد دلاتی رہیں۔ ان کے مزاج میں صفائی بہت تھی ان کا صاف چمچماتا ہوا لوٹا کٹورا آخر وقت تک ان کی چارپائی کے پاس رکھا رہا "بڑھاپے میں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

دو جوان لڑکیوں فاطمہ، صغریٰ اور ایک جوان لڑکے عبدالحسیب اور اس کے بعد منجھلے بھائی عبدالسلام کی موت نے ان کو بالکل توڑ دیا ورنہ خدا کے فضل سے انھیں کوئی بیماری نہیں تھی معمولی پیچش کے بعد اسی بیاسی سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوگیا۔

قرآن شریف اور اردو میں نے گھر ہی پر پڑھی سہالی کے پرائمری اسکول میں کنتور کے رہنے والے ایک ٹیچر عبدالشکور صاحب تھے وہ ہمارے یہاں رہتے تھے ہم لوگوں کو گھر پر پڑھانے اور ساتھ اسکول بھی لے جاتے تھے ہمیں یاد ہے اس زمانے میں اسکول کے ہیڈ ماسٹر منشی گرچرن لال تھے وہ سہالی کے قریب ہی ایک گاؤں کے رہنے والے تھے بڑے اچھے اور مستعد آدمی تھے ہم لوگوں کا بڑا خیال رکھتے تھے اسکول سے چلے آنے کے بعد بھی ان کا ہمارے یہاں سے تعلق رہا جب سہالی آتے تو ہمارے یہاں ضرور آتے منشی عبدالشکور صاحب پڑھے لکھے تو تھے لیکن وہ بولتے اپنی دیہاتی زبان ہی میں تھے جب ہمارے بڑے بھائی عبدالعزیز صاحب اور عبدالسلام کی شادی ہوئی تو ہمیں یاد ہے کہ انھوں نے ہمارہ دری سے ملے ہوئے کمرے میں آکر ہماری والدہ سے کہا ہتو ہیں مبارک ۔ جب ہمارے بھائیوں کی شادی ہوئی تو میں بالکل چھوٹا تھا اور جلد ہی رات کو سو جاتا تھا۔ ہمارے یہاں کھانا دیر میں کھایا جاتا تھا ماشاء اللہ سے بیس بائیس آدمیوں کا کھانا پکتا تھا کبھی ہماری بھابھی یعنی بڑے بھائی کی بیوی مجھے جگا کر کھلاتی تھیں کبھی منجھلے بھائی کی بیوی جنھیں میں بھاوج کہتا تھا کھلاتیں میں نیند میں آنکھ بند کئے بیٹھا رہتا تھا اور وہ منھ میں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

لقمہ رکھتی جاتی تھیں اور میں کھاتا جاتا تھا میں اپنی بھابھی اور بھاوج کو ماں کی طرح مانتا تھا۔ اور وہ بھی مجھے اسی طرح چاہتی تھیں۔

ہم لوگوں کے تعلقات ریاست محمود آباد کے اہلکاروں سے عام طور پر اچھے نہیں رہتے تھے بات یہ تھی کہ لاشعوری طور پر ہم لوگوں کو یہ احساس ہوتا تھا کہ یہ جائداد ہمارے خاندان کی تھی اور اب غیر لوگ قابض ہیں۔ کچھ اقتدار کی کشمکش بھی تھی راجہ صاحب کے اہلکار اپنا اقتدار جمانا چاہتے تھے اور ہم لوگ اپنا اقتدار چاہتے تھے پبلک ہمارے ساتھ تھی اس لئے اہلکار کچھ کر نہ پاتے تھے آخر میں گڑھی بھلول کے پاس پیغمبر پور کے رہنے والے ریاض صاحب۔ تحصیلدار کی حیثیت سے بحالی آگئے ان کا رویہ ہم لوگوں کے ساتھ بھائی چارے کا رہا خود ہی ہمارے بڑے بھائی عبدالعزیز صاحب سے ملنے آگئے پھر ان سے ہم لوگوں کے تعلقات عزیزوں کیسے ہوگئے وہ بڑے مہمان نواز اور شاہ خرچ تھے جتنے لوگ ریاست سے متعلق آتے وہ ان کے مہمان ہوتے اس کے علاوہ دوسرے لوگ بھی ان کی مہمان نوازی سے فائدہ اٹھاتے لوگ کہتے ہیں کہ ان کے چولہے کی آگ کبھی بجھی نہیں ان کا باورچی بھی بہت اچھا آدمی تھا۔

وہ ہم کو چھوٹے بھائی کی طرح مانتے تھے کبھی کبھی اسٹیشن سوڈھیامئو پر ہمارا ان کا ساتھ ہو جاتا جب ہم اپنے ملازم بعاتی کو ٹکٹ لانے کے لئے پیسے دینے لگتے تو وہ جیب سے ٹکٹ نکال کر ہم کو دیدیتے اور کہتے میں نے ٹکٹ پہلے ہی منگا لیا تھا۔ کسی سلسلے میں ہم لوگوں سے ریاست سے مقدمہ بازی شروع ہوگئی ہم لوگ مقدمہ کی پیروی کے لئے لکھنؤ جاتے کھانے کا وقت آتا تو وہ اپنا بڑا سا ناشتے دان کھول کر

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

دستر خوان بچھوا دیتے اور ہم لوگوں کو ساتھ کھانے پر مجبور کر دیتے ۔ وہ اپنی فیاضی سے کچھ بچا نہ سکے حالانکہ ریاست کے تحصیلداروں کی آمدنی کافی تھی۔ خاتمہ زمینداری کے بعد وہ اپنے گاؤں چلے گئے لکھنؤ جب آتے تو ہمارے میاں ضرور آتے دیکھنے سے پتہ چلتا کہ حالات اچھے نہیں ہیں مگر وہ کبھی کسی چیز کے خواستگار نہیں ہوئے ہم لوگ بہت اصرار کرتے تو چائے پی لیتے اللہ انھیں اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔

ندوہ میری بارہ برس اور بھائی عبد الحبیب صاحب کی عمر چودہ سال کی ہوگی کہ ہم لوگوں کو بھی ندوہ تعلیم کے لئے بھیجا گیا۔ گھر سے دور رہنے کا یہ پہلا اتفاق تھا ہم دونوں بھائی گھر چھٹنے کے غم میں رات کو رویا کرتے تھے اسی سال نئے آنے والے لڑکوں میں رئیس احمد جعفری بھی تھے وہ ہم لوگوں کے ہم جماعت تھے اور سامنے والے کمرے میں رہتے تھے وہ بھائی عبد الحبیب صاحب کے ہمعمر تھے اور وہ بھی گھر کی جدائی سے غمزدہ تھے۔ ان میں اور بھائی صاحب میں جلد ہی دوستی ہو گئی۔ اس زمانے میں لڑکوں کے رہنے کے لئے کوئی الگ بورڈنگ ہاؤس (دار الاقامہ) نہیں تھا بلکہ اسی عمارت میں ہال کے دونوں طرف بنے کمروں میں طلبا رہتے تھے پچھم طرف والے کمروں میں بڑے لڑکوں کے رہنے کا انتظام تھا اور پورب طرف کے کمروں میں چھوٹے لڑکے رہتے تھے ہال سے ملے بڑے کمروں میں چھوٹے لڑکوں کے کلاس تھے اور بڑے لڑکے ہال کے اوپر کے کمروں میں پڑھتے تھے۔ نماز پڑھنے کے لئے ہال میں دریاں بچھی تھیں۔ اغلم گڑھ

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کے رہنے والے مولانا شبلی جو اپنے کو شبلی مدرس لکھا کرتے تھے
ہم لوگوں کے اتالیق یعنی نگراں تھے اور ہال کے پچھم طرف فیلڈ
کے سامنے والے کمرے میں رہتے تھے۔ اور فقہ پڑھاتے تھے،
لڑکوں کی نگرانی کرتے تھے اور مطبخ کے انچارج تھے وہ اوپر
سے سخت اور اندر سے نرم تھے ان کا قد چھ فٹ کا ہوگا۔ موٹے
تگڑے آدمی تھے ٹھڑی کا چشمہ آنکھیں ان پر لگی ہوئی موٹی بھویں
بڑا چہرہ چوڑی پیشانی۔ اونچی اور موٹی ناک، سیاہ رنگ بڑی
اور گھنی داڑھی۔ کرخت آواز ہم لوگ ان سے بہت ڈرتے تھے
اسے شیر کا بچہ کہا کرتے تھے وہ لمبا کرتا اور شلوار پہنتے تھے
شلوار بہت کم وہ کام میں لاتے تھے ورنہ اکثر وہ تہبند باندھے
رہتے تھے ہم نے انہیں جوتا پہنے کبھی نہیں دیکھا وہ ہمیشہ چپل پہنتے
تھے وہ نگرانی قاعدے کی سختی سے کرتے تھے ساتھ ہی ساتھ بچوں
سے محبت بھی بہت کرتے تھے اور ہماری آزادی میں ان کا بڑا
خیال رکھتے تھے۔

وہ نماز کے لئے خاص طور پر فجر کے وقت ہم لوگوں کو اٹھانے کے لئے
کمروں کا گشت کرتے تھے سردی کے موسم میں جب صبح کے وقت
ہم لوگوں کے لئے اٹھنا مشکل ہوتا تھا وہ نماز سے پہلے ایک مرتبہ ہم
لوگوں کو اٹھانے آتے تھے لیکن نیند کے ماتے لڑکے پھر سو جاتے
تھے وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے اس لئے وہ نماز شروع
ہونے سے پہلے پھر ایک چکر لگاتے تھے اور جس کو سوتا پاتے تھے
اس کی پٹائی کر دیتے تھے۔ ہم لوگوں نے ان کی پٹائی سے بچنے کے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

لئے یہ ترکیب نکالی کہ چارپائی کے نیچے چٹائی بچھائی اور بستر کی چادر اتنی نیچی کرلی کہ چارپائی کے نیچے نہ دکھائی دے۔ ہم لوگ ان کے پہلے چکر کے بعد چارپائی کے نیچے لیٹ کر سو جاتے کچھ دن تو وہ دھوکا کھاتے رہے اس کے بعد انھیں ہماری اس ترکیب کا پتہ چل گیا اب وہ ہم لوگوں کو چارپائی کے نیچے سے نکال کر ہماری پٹائی کرنے لگے۔

وہ چمڑے کے موٹے موٹے چپل پہنتے تھے ہر شخص کی چال الگ ہوتی ہے چلتے وقت ان کی چپل سے نکلنے والی آواز ہم لوگ پہچان گئے تھے جیسے ہی وہ آواز کسی لڑکے کے کان میں آتی وہ فوراً دوسرے لڑکوں کو جگا دیتا اور ہم لوگ اٹھ کر جلدی سے وہاں پہنچ جاتے جہاں جاڑے کے موسم میں وضو کے لئے پانی گرم کیا جاتا تھا۔ جب وہ چلے جاتے تو ہم لوگ پھر جاکر لیٹ جاتے کبھی کبھی وہ نماز کے بعد بھی چکر لگا دیتے اور ہم لوگوں کی پٹائی کر دیتے۔

اب بچوں سے محبت کا حال بھی بتا دوں آپ سے کیا چوری میں کسی کسی دن بستر پر پیشاب کر دیتا تھا ایک مرتبہ وہ جگانے آئے اور انھوں نے لحاف گھسیٹا تو اس میں پیشاب کی بھبھک نکلی وہ بگڑے اور کہا تو اب تک پیشاب کرتا ہے مگر نماز کے بعد آکر نوکر سے اپنے سامنے بستر دھلوایا وہ شریر لڑکوں کو زیادہ چاہتے تھے اور کہا کرتے تھے مجھے بدھو لڑکے پسند نہیں۔

اس زمانے میں باورچی خانہ دارالعلوم کی عمارت کے پچھم طرف نالے کے کنارے تھا اس کے دو حصے تھے ایک حصے میں کھانا پکتا تھا

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

دوسرے میں لڑکے کھانا کھاتے تھے بڑا سا کھپریل پڑا تھا اس میں تخت بچھے تھے انھیں پر بیٹھ کر لڑکے کھانا کھاتے تھے کھانے کی گھنٹی بجتی تھی اور سب لڑکے باورچی خانے جا کر کھانا کھاتے تھے کمرے میں کھانا صرف بیمار لڑکوں کے لئے جاتا تھا یا کسی لڑکے کا کوئی مہمان آ جاتا تھا تو وہ کمرے میں کھانا منگا لیتا تھا۔

کھانے کے وقت مولانا شبلی اتالیق مطبخ میں موجود رہتے تھے وہ یہ دیکھتے تھے کہ لڑکوں کے لئے کھانا کیسا پکا ہے اس کے علاوہ وہ لڑکوں کو گرم گرم روٹیاں فراہم کرتے تھے اور نگرانی کرتے تھے کہ کھاتے وقت کوئی لڑکا شرارت تو نہیں کرتا ہے اتنا عرصہ گذر گیا لیکن اب تک وہاں کی گرم گرم خمیری روٹیاں یاد ہیں ندوہ کا باورچی شہر کے اچھے باورچیوں میں تھا اس کا نام مولا تھا۔ ندوہ کے اکثر نوکر ضلع بارہ بنکی کے ایک گاؤں کنیپے کے تھے جو کرسی کے پاس ہے غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ ندوہ کے بہت پرانے چپراسی اصغر اسی گاؤں کے رہنے والے تھے۔

چھوٹے بچوں کو گومتی ندی میں نہانے کی اجازت نہیں تھی مولانا شبلی گرمیوں کے موسم میں جمعہ کے دن عمارت کے پچھم طرف جو کنواں ہے اس پر نہلانے کا انتظام کرتے تھے اس کوئیں کا پانی بڑا صاف اور ٹھنڈا ہوتا تھا ہم لوگوں کو کوئیں پر نہانے میں بڑا مزا آتا تھا۔ بعض وقت اب بھی دل میں یہ تمنا کسمساتی ہے کہ کاش ایک مرتبہ پھر اسی کوئیں پر نہانے کو ملتا۔ جب ہم لوگ بڑے ہو گئے تو جمعہ کے دن ہم لوگ بھی مولانا حفیظ اللہ صاحب کے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ساتھ نہانے کے لئے گومتی پر جانے لگے اس وقت ندوہ کے مہتمم مولانا حفیظ اللہ صاحب تھے وہ بہت اچھا تیرنا جانتے تھے انہی کی وجہ سے مجھے بھی تیرنا آگیا وہ جب تیرتے تھے تو ان کی سفید لمبی داڑھی پانی کے اوپر رہتی تھی اور وہ بالکل شیر معلوم ہوتے تھے ہمارا کمرہ پورب کی طرف بنے ہوئے کمروں میں فیلڈ کی جانب دوسرے نمبر پر تھا اسی کمرے میں ہم دونوں بھائی خیر آباد کے اختر صاحب بہار کے ذکی صاحب، مصطفےٰ کریم صاحب اور اشاعت صاحب رہتے تھے۔ ان میں سوائے مصطفےٰ کریم صاحب کے جو بہار کے کسی کالج میں لکچرر ہیں کسی سے پھر ملاقات نہیں ہوئی اگرچہ اب بھی انھیں دیکھنے کو دل چاہتا ہے۔ اس وقت لڑکوں کا کام کرنے کے لئے جو نوکر تھے ان میں سے صرف تین کے نام یاد ہیں۔ اسمٰعیل، امین اور یعقوب نہیں وہ لوگ کبھی یاد آتے ہیں جو اس وقت بورڈنگ میں بسکٹ، قلفی اور رابڑی بیچنے آتے تھے محسن بسکٹ والے، ہماری قلفی والے، رابڑی بیچنے والی بوڑھیا جنکو ہم لوگ دادی کہتے تھے ان کے چہرے اس وقت بھی آنکھوں کے سامنے ہیں۔

غالباً جب میں چھٹے درجے میں پہونچا تب پہلا بورڈنگ ہاؤس (دار الاقامہ) بنا جسے ہم لوگ شبلی ہوسٹل کہتے تھے چونکہ اب ہمارا شمار بڑے لڑکوں میں کیا جانے لگا تھا اس لئے ہمیں بھی نئے بورڈنگ ہاؤس میں دوسرے بڑے لڑکوں کے ساتھ منتقل کر دیا گیا۔ چھوٹے لڑکے دار العلوم ہی کی عمارت میں پچھم طرف والے حصے میں رہنے لگے اور پورب طرف والے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کمروں میں کلاس لگنے لگے۔ شبلی ہوسٹل میں ہمارا کمرہ ہال کے پچھم طرف والے حصے میں پانچواں کمرہ تھا۔ ہال اس وقت تک بنا نہیں تھا۔ مولانا شبلی اسی حصے میں پہلے کمرے میں منتقل ہو کر آ گئے یہاں والے کمرے میں ہمارے ساتھ مصطفےٰ صاحب، ذکی صاحب، بضاعت صاحب اور میں چار لڑکے رہتے تھے اختر صاحب تعلیم چھوڑ کر خیر آباد چلے گئے اور اور بھالی صاحب علی گڑھ طبیہ کالج چلے جا چکے تھے۔

ہمارا کمرہ مختار احمد اور مشتاق احمد کے کمرے کے پاس تھا یہ دونوں بھائی موضع جگت ضلع پیلی بھیت کے رہنے والے تھے ان کا خاندان وہاں کے رئیسوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ ان کے ساتھ ان کا ایک ذاتی نوکر رہتا تھا۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد ہم لوگ ان کے کمرے میں جمع ہو جاتے تھے۔ ان کے یہاں آنے والوں میں رئیس احمد جعفری، رحمت علی صاحب اور میں تھا مختار احمد صاحب چائے کے بڑے شوقین تھے ہر وقت کیتلی انگیٹھی پر رکھی رہتی تھی اور چائے کا دور چلا کرتا تھا۔ مختار صاحب بڑے مخلص آدمی تھے اپنے دوستوں کا بڑا خیال رکھتے تھے وہ میرے ساتھ ایک مرتبہ سہالی بھی گئے تھے اور کئی دن رہے تھے۔ ان کو شعر و شاعری کا بھی شوق تھا انھیں یہ بھی غلط فہمی تھی کہ وہ اچھا گا لیتے ہیں اسلئے وہ اپنا اور دوسرے شاعروں کا کلام گا کر سناتے تھے مجھے یاد ہے کہ ؎

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں

وہ جھوم جھوم کر سناتے تھے۔ یہ نشست اس وقت تک چلتی تھی جب تک شبلی صاحب لڑکوں کو کھانا کھلوا کر مطبخ سے بورڈنگ ہاؤس واپس

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

نہیں آجاتے تھے ۔ جب کبھی مختار صاحب کے یہاں کوئی مہمان آجاتا تھا تو یہ نشست میرے کمرے میں ہوتی تھی۔ اس زمانے میں مجھے کنٹھ مالے کی شکایت ہو گئی تھی اس لئے والدہ نے گلے کی گلٹیوں کو دھونے اور دوا وغیرہ لگانے کے لئے سہالی سے ایک نوکر بھیجا دیا تھا اس کا نام نظیر تھا وہ میرا ہمعمر تھا وہ بڑا سمجھ دار اور وفادار لڑکا تھا یہ نشست جب ہمارے یہاں ہوتی تو پان وغیرہ دکان سے منگائے جاتے ۔ مختار صاحب کے یہاں تو پان کی پٹاری سامنے رکھی رہتی تھی اور وہ پان لگا لگا کر ہم لوگوں کو دیا کرتے تھے ۔ نظیر یہ کرتا تھا کہ جب میں پان منگواتا تھا تو کہہ دیتا تھا اس وقت پان والی دکان پر نہیں ہے اور جب رئیس صاحب یا رحمت علی صاحب منگاتے تھے تو وہ دوڑ کر لے آتا تھا میں نے جب کئی بار یہ ہوتے دیکھا تو میں نے ایک دن میاں نظیر سے الگ بلا کر پوچھا یہ کیا بات ہے کہ جب میں پان منگاتا ہوں تو تم کہہ دیتے ہو کہ پان کی دکان بند ہے اور جب کوئی دوسرا منگاتا ہے تو تم جلدی سے لے آتے ہو نظیر نے کہا بھیا خواہ مخواہ آپ کے پیسے خرچ کرانے اچھا نہیں لگتا ۔ میں نے کہا بھائی کبھی کبھی میرے منگانے سے بھی لے آیا کرو ورنہ وہ لوگ سوچیں گے کہ نوکر کو سمجھا رکھا ہے اس کے بعد سے میاں نظیر میرے منگانے سے بھی پان لانے لگے ۔ اس زمانے میں ندوہ کے اندر کوئی ہوٹل نہیں تھا پچھم طرف پھاٹک کے پاس کچھ پان وغیرہ کی دکانیں تھیں وہیں سے ہم لوگ منگا لیا کرتے تھے ۔

رئیس احمد جعفری اور رحمت علی صاحب ہال کے پورب طرف

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

والے حصے میں رہتے تھے اسی طرف عدیل عباسی صاحب کے بھائی شکیل عباسی صاحب بھی رہتے تھے وہ ہم لوگوں سے کافی سینیر تھے لیکن بڑے ہنس مکھ اور ملنسار تھے ان کی آواز بڑی اچھی تھی ہم لوگ جب ان سے غزل سنانے کے لئے اصرار کرتے تو وہ ہماری بات نہ ٹالتے اور جب وہ غالب کی یہ غزل

درد منت کشِ دوا نہ ہوا!
میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

اپنی سریلی اور درد بھری آواز میں پڑھتے تو سماں بندھ جاتا اور بڑا مزا آتا۔

منت اللہ صاحب مونگیری میرے بعد ندوہ آئے تھے۔ منت اللہ صاحب ان کے بھائی لور اللہ صاحب، فضل کریم صاحب اور عبدالسلام صاحب یہ سب مونگیر کے تھے اور جب آئے تھے تو نیا بورڈنگ نہیں بنا تھا اور دارالعلوم کی عمارت ہی میں پورب طرف والے حصے میں میرے کمرے کے بعد والے کمرے میں رہتے تھے اس وقت بھی ان کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ سردی کا موسم ہے منت اللہ سبز بھاگلپوری کپڑے کی دلائی اوڑھے کھڑے ہیں وہ ہمارے کلاس فیلو تھے یہ کافی ذہین لڑکوں میں تھے تھوڑے دنوں کے بعد ان سے کافی تعلقات ہو گئے ندوہ سے چلے جانے کے بعد بھی ان سے خط و کتابت رہی اور اب بھی تعلقات برقرار ہیں جب لکھنؤ آتے ہیں تو ضرور ملتے ہیں یہ مولانا محمد علی مونگیری جو بانیان ندوہ میں سے تھے ان کے چھوٹے صاحبزادے ہیں اور اس وقت خانقاہ رحمانیہ مونگیر کے سجادہ نشین ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

آخر میں شبلی صاحب کلاس میں آنے کے بجائے اپنے کمرے ہی میں پڑھانے لگے تھے ان کے پاؤں میں اکوتا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے انھیں چلنے پھرنے میں دشواری ہوتی تھی شبلی صاحب فقہہ کے ماہر تھے اور بڑی اچھی طرح پڑھاتے تھے وہ پڑھانے کے درمیان کچھ لطیفے بھی سناتے تھے وہ لطیفہ عام طور پر سنایا کرتے تھے ایک مولوی صاحب کا تکیہ کلام یہ تھا جو ہے سو ہے' وہ بچوں کو الحمد پڑھاتے تو کہتے الحمد للہ جو ہے سو ہے' بچے بھی یہی کہتے الحمد للہ جو ہے سو ہے تب مولوی صاحب خفا ہو کر کہتے جو میں کہوں جو ہے سو ہے تو تم نہ کہو جو ہے سو ہے کہو الحمد للہ جو ہے سو ہے بچے بھی یہی پورا جملہ دہراتے اور مولوی صاحب زچ ہو کر خاموش ہو جاتے شبلی صاحب کے کلاس میں اسی وجہ سے کافی دل لگتا تھا اور ہم لوگ بڑے شوق سے ان کے کلاس میں جاتے تھے وہ اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے ندوہ میں سب سے زیادہ سابقہ انھیں سے رہا۔ ان کے ساتھ ان کے دو نواسے وحید اور سعید رہتے تھے۔ بعد میں سعید صاحب شبلی صاحب کی جگہ پر فقہہ پڑھانے لگے تھے۔

ہمارے استادوں میں مولانا حیدر حسن، مولانا عبدالودود، مولانا عبدالحلیم اور مولانا عبدالرحمان بھی تھے مولانا حیدر حسن صاحب ٹونک کے رہنے والے تھے حدیث کے ماہرین میں شمار کئے جاتے تھے مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے فرشتہ تھے چھوٹے بڑے سب کو میاں کہہ کر مخاطب کرتے تھے گورے چٹے لمبے قد اور چھریرے بدن کے خوبصورت آدمی تھے سفید کرتا سفید شلوار پہنتے تھے اور سفید

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

صافہ باندھے رہتے تھے اس لباس میں ان کے سرخ سفید چہرے پر سفید داڑھی دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نور ٹپک رہا ہے وہ کوٹھے پر پچھم طرف والے کمرے میں رہتے تھے وہیں بیٹھ کر پڑھاتے تھے صرف نماز پڑھنے کے لئے نیچے اترتے تھے۔ ان کے درس میں ہم لوگوں کے ساتھ علی میاں بھی شریک ہوتے تھے اس طرح ہمیں ان کا ہم درس ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔ اس تعلق کا وہ ابھی بھی خیال رکھتے ہیں اور بڑی محبت سے ملتے ہیں۔

مولانا عبدالودود صاحب منطق اور فلسفہ پڑھاتے تھے اور اس خشک مضمون کو اس ڈھنگ سے پڑھاتے تھے کہ ہمیں مضمون سے بالکل لگاؤ نہ ہونے کے باوجود کچھ نہ کچھ آگیا تھا۔ دارالعلوم کی عمارت میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے کچھ دنوں کے لئے ڈالی گنج میں موہن میکن کی طرف جانے والی سڑک پر ریلوے پل کے پاس برف والی کوٹھی میں چھوٹے لڑکوں کا ہوسٹل قائم کر دیا گیا تھا وہاں مولانا عبدالودود صاحب ہم لوگوں کے اتالیق اور نگراں تھے۔ وہ کافی ذہین اور سمجھدار تھے صورت شکل کے اچھے تن رست آدمی تھے وہ جب چھوٹی مہری کا پائجامہ، کرتا اور شیروانی پہن کر نکلتے تھے تو بہت اچھے لگتے تھے وہ لڑکوں پر زیادہ سختی نہیں کرتے تھے لڑکے ان کے حسن اخلاق اور حسن انتظام سے مطمئن تھے۔

مولانا عبدالحلیم صاحب ہم لوگوں کو تفسیر پڑھاتے تھے۔ انھیں سیاست سے بھی دلچسپی تھی وہ کلاس میں سیاسی مسائل پر بھی اظہار خیال کیا کرتے تھے لمبے قد کے دبلے پتلے آدمی تھے ابھی ان کی داڑھی سفید نہیں ہوئی تھی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کھدر کا کرتا پائجامہ بنڈی پہنتے تھے اور سر پہ عربوں کی طرح کپڑا باندھے رہتے تھے خوش مزاج آدمی تھے انھیں شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی ان کا ایک شعر مجھے اب تک یاد ہے ؎

قبر میں بھی ہے انتظار مجھے
بری عادت کبھی نہیں جاتی

مولانا عبدالرحمان صاحب ہم لوگوں کو عربی ادب پڑھاتے تھے وہ نگرام کے رہنے والے تھے وہ روشن خیال آدمی تھے ان کا لڑکوں سے برتاؤ بڑا اچھا تھا ان کے مولانا عبدالماجد دریا آبادی سے کافی تعلقات تھے وہ سچ ہفتہ وار میں مضامین لکھا کرتے تھے وہ لڑکوں میں بہت مقبول تھے ولی محمد جو ماشا اللہ سے ابھی تک ندوہ میں لازم ہیں سب سے پہلے مولانا عبدالرحمان کے پاس نوکر ہوئے تھے مولانا عبدالرحمان چھوٹے قد اور سانولے رنگ کے تھے کھدر کا کرتا پائجامہ اور اسی کی دوپلی ٹوپی پہنتے تھے وہ زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہے اور جوانی ہی میں ان کا انتقال ہو گیا لیکن انھوں نے ندوہ کے طلبا پر گہرا اثر چھوڑا اور ان میں روشن خیالی پیدا کی ان کے رشتے کے بھائی مطلوب الرحمان صاحب ہم لوگوں کے ساتھ پڑھتے تھے اور نظیر آباد میں رہتے تھے۔ ندوہ سے چلے آنے کے بعد بھی ان سے ہمارے تعلقات باقی رہے۔

ندوہ میں انگریزی بھی پڑھائی جاتی تھی آخر زمانے میں ماسٹر عبدالسمیع صاحب ہم لوگوں کو انگریزی پڑھاتے تھے اور بڑے اچھے ڈھنگ سے پڑھاتے تھے مجھے گرامر بالکل نہیں آتی تھی لیکن انھوں نے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ایسے آسان طریقے سے پڑھایا کہ دشواری دور ہو گئی۔ وہ بڑے نیک اور فرشتہ خصلت تھے۔ شخص سے مسکرا کر بات کرتے تھے۔ بعد کو انھوں نے ندوہ کی مسجد کے پاس اپنا ذاتی مکان بھی بنوا لیا تھا ان سے ہمارے تعلقات آخر وقت تک رہے۔

اس زمانے میں ہاکی کا بڑا رواج تھا ندوہ کی ہاکی ٹیم شہر کی اچھی ٹیموں میں شمار کی جاتی تھی اس کے دوستانہ میچ لکھنؤ یونیورسٹی اور کرسچین کالج وغیرہ سے ہوا کرتے تھے اس وقت ندوہ ہاکی ٹیم کے کپتان نہال احمد صاحب تھے جو کچھوچھے کے رہنے والے تھے یہ سنٹر ہاف اور ان کے بھائی محمد احمد صاحب رائٹ آؤٹ کھیلتے تھے یہ دونوں بھائی ہاکی کے کلب بی، وائی، اے کی طرف سے ٹورنامنٹ میں بھی کھیلا کرتے تھے۔ نہال صاحب کے بعد ذکی صاحب کپتان اور میں نائب کپتان ہو گیا تھا۔ ہمارے زمانے میں بھی ندوہ کی ٹیم اچھی تھی لیکن اس معیار کی نہیں تھی جو نہال صاحب کے زمانے میں تھا۔ ہم لوگوں کے بعد عمران خان صاحب کپتان ہو گئے تھے شبلی صاحب کے نواسے وحید صاحب اور سعید صاحب بھی ہاکی کے اچھے کھلاڑی تھے رحمت علی صاحب اور منت اللہ مونگیری بھی ہاکی کھیلتے تھے۔ اس زمانے میں کھیل کے نگراں ایک ماسٹر عزیز الحسن خاں تھے۔ انھیں کھیل کود سے بڑی دلچسپی تھی۔

الاصلاح الاصلاح ندوہ کے طلبا کی انجمن تھی ہم لوگوں کی ذہنی تربیت میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس کی لائبریری میں اور مضامین کے علاوہ اردو ادب کی بہت اچھی کتابیں اور رسائل تھے اس کا ایک ماہانہ رسالہ بھی نکلتا تھا جو ہاتھ سے لکھا جاتا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اس کے ایڈیٹر بہار کے مناظر امام تھے۔ انجمن کی طرف سے ڈیبیٹ بھی ہوتے تھے جن میں لڑکے تقریریں کرتے تھے مجھے اردو ادب سے جو ذوق پیدا ہوا وہ اسی کی دین ہے مولانا عبدالسلام قدوائی جو تھونیڈی ضلع رائے بریلی کے رہنے والے تھے انھوں نے انجمن کو ترقی دینے اور اس کی سرگرمیوں کے بڑھانے میں بڑا حصہ لیا مولانا عبدالسلام قدوائی سیدھے سادھے آدمی تھے طلباء ان کو بہت مانتے تھے وہ ایک طرح سے طلباء کے لیڈر تھے رئیس احمد جعفری سے ان کے بڑے گہرے تعلقات تھے جمعہ کو انجمن کے زیر اہتمام جو تقریریں ہوتی تھیں ان میں رئیس احمد جعفری، عبدالسلام قدوائی اور ان کے رشتے کے بھائی نجم الدین قدوائی برابر حصہ لیتے تھے اور اچھے تقریر کرنے والوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ یونیورسٹی وغیرہ میں جو تقریری مقابلے ہوتے تھے ان میں یہ لوگ شرکت کرتے تھے۔ عبدالسلام قدوائی انجمن الاصلاح کے کافی دنوں تک ناظم رہے تھے ان کے بعد رئیس احمد جعفری ناظم اور میں نائب ناظم منتخب ہوئے۔ انجمن کے عہدہ دار طلباء کے لیڈر سمجھے جاتے تھے طلباء کی انجمن کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں اور طلباء پر اس کے اثرات سے ندوہ کے منتظمین کچھ خوش نہیں تھے اور اندر اندر کشمکش چل رہی تھی انجمن الاصلاح کے عہدے دار طلباء کے حقوق کے محافظ خیال کئے جاتے تھے اور ان کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کے خلاف آواز بلند کرتے تھے اتفاق سے ایک معمولی سی بات پر کشمکش بڑھ گئی اس وقت سالانہ امتحانات ہو رہے تھے طلباء نے امتحانات کا بائیکاٹ کر دیا۔ ہڑتال کا یہ سلسلہ کئی دنوں تک جاری رہا

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

منتظمین نے مطبخ سے لڑکوں کا کھانا بند کر دیا۔ اور بورڈنگ خالی کرنے کے احکام بھی جاری کر دیئے دو چار دن تو ہم لوگوں نے طلباء کے کھانے کا انتظام کیا اور انھیں روکے رکھا لیکن ہمارے ذرائع محدود تھے ہم زیادہ دنوں تک طلباء کے کھانے کا انتظام نہیں کر سکتے تھے اس لئے رفتہ رفتہ سب لڑکے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور طلباء کی تحریک ٹھنڈی پڑ گئی اس تحریک کے روح رواں عبدالسلام قدوائی تھے اس لئے انجمن کے ناظم اور نائب ناظم کے ساتھ ساتھ عبدالسلام قدوائی کو بھی ندوہ سے نکالے جانے کا حکم جاری کر دیا گیا۔

تحریک چلانے کے لئے جو کمیٹی بنی تھی اس کا صدر ہم لوگوں نے بڑیل ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے عبدالحئی صاحب کو بنایا تھا۔ جب بورڈنگ سے طلباء کو نکالا گیا تو وہ بھی اپنے گھر چلے گئے میں عبدالسلام ندوی اور رئیس احمد جعفری مقام نگر میں ایک مکان میں ٹھہرے رہے۔

تحریک عملی طور پر ختم ہو چکی تھی ہم لوگوں نے اس کے باقاعدہ ختم کرنے اور طلباء سے ندوہ واپس آنے کی اپیل کرنے کے سلسلے میں اعلان سے پہلے تحریک کی کمیٹی کے صدر عبدالحئی صاحب سے مشورہ کرنا ضروری خیال کیا اس لئے ہم تینوں آدمی بڑیل گئے اس زمانے میں بارہ بنکی سے بڑیل جانے والی سڑک نہیں بنی تھی اور راستہ انتہائی خراب تھا ہم لوگ یکے پر گئے تھے گھوڑا اچھا تھا لیکن اس کے باوجود وہ کئی جگہوں پر الٹتے الٹتے بچا اور اکثر راستہ ہم کو پیدل ہی کاٹنا پڑا خدا خدا کر کے جب ہم عبدالحئی صاحب کے گھر پہنچے تو معلوم ہوا عبدالحئی صاحب گھر پر موجود نہیں ہیں کہیں گئے ہیں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ان کے نوکر نے کمرہ کھول دیا گرمیوں کے دن تھے ہم لوگوں کے لئے شربت لے آیا۔ شربت پینے کے بعد ہم لوگ لیٹ کر آرام کرنے لگے عبدالسلام صاحب ظہر کی نماز کے لئے وضو کرنے اٹھے اور لوٹے میں پانی لے کر بیٹھے عینک اتار کر خانے میں رکھی اور خانہ گود میں رکھ لیا خانہ لوہے کا تھا جو پٹ سے بند ہوتا ہے وضو کرنے کے بعد وہ کھڑے ہوئے اور عینک کا خانہ ڈھونڈھنے لگے مگر اس کا کہیں پتہ نہ چلا پتہ چلتا تو کیسے وہ بند ہوتے وقت پائجامے کی میانی میں لٹک گیا تھا کھڑے ہوتے تو کرتے سے ڈھک گیا یہ خانہ تلاش ہی کر رہے تھے کہ عبدالحئی صاحب کے نوکر صاحب آئے ابھی وہ خانا کہہ پائے تھے کہ مولانا جلدی سے بولے کہاں ہے اس درمیان نوکر نے جملہ پورا کیا اور کہا خانا یعنی کھانا تیار رہے لے آؤں۔ ہم نے کہا لے آؤ مارے ہنسی کے ہمارا اور رئیس صاحب کا برا حال تھا ابھی نوکر کھانا لا بھی نہیں پایا تھا کہ خانے کا پتہ چل گیا کہ وہ میانی میں لٹکا ہے۔ رئیس صاحب نے کہا تم بھی عجب آدمی ہو نوکر نے اپنی قابلیت جتانے کے لئے کھانے کو خانا کہا تھا آپ پورا جملہ سنے بغیر بے تابی سے بول اٹھے کہاں ہے وہ خیال کرتا ہوگا بڑے مرکھنے ہیں۔ تھوڑی دیر میں کھانا بھی آگیا اور عبدالحئی صاحب بھی آگئے۔ ہم لوگ ان سے مشورہ کرکے لکھنؤ واپس آئے۔

ندوہ سے اخراج کے بعد عبدالسلام قدوائی، رئیس احمد جعفری اور میں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی جانے کا ارادہ کیا۔ اسٹرائک کے دوران بھی ہم لوگوں نے حفظ مراتب کا خیال رکھا کسی استاد کے ساتھ

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کوئی گستاخی نہیں کی اور نہ نعرے بازی کی قاعدے کے مطابق اسٹرائک کے لیڈروں کا نکالا جانا ضروری تھا اس لیئے ہم لوگوں کو نکال دیا گیا لیکن کوئی تلخی پیدا نہیں ہوئی اور ہم اپنے استادوں سے اسی طرح ملتے جلتے رہے جس طرح پہلے ملتے جلتے تھے ان کا رویہ بھی ہم لوگوں کے ساتھ ہمدردانہ تھا مولانا سید سلیمان ندوی اس وقت ندوہ کے ناظم تعلیم تھے جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ ہم لوگ جامعہ ملیہ جانے والے ہیں تو انھوں نے شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے نام ایک سفارشی خط لکھ دیا تاکہ وہاں داخلے میں ہم لوگوں کو کوئی دشواری نہ ہو۔

مولانا سید سلیمان جیسے صاف ستھرے اور سلیقے کے ساتھ رہنے والے مولوی میں نے بہت کم دیکھے ہیں وہ درمیانہ قد کے خوبصورت آدمی تھے ان کی ترشی ہوئی گول سیاہ داڑھی ان کے گورے بھرے ہوئے چہرے پر بڑی اچھی معلوم ہوتی تھی وہ صاف شفاف کپڑے پہنتے تھے ان کی شیروانی کے سب بٹن لگے ہوتے تھے سفید صافہ بھی سلیقے سے بندھا ہوتا تھا وہ سنہرا چشمہ لگاتے تھے اور ان کی جیبی گھڑی کی خوبصورت چین دور سے دکھائی دیتی تھی جب میں چھوٹے لڑکوں کے ساتھ دارالعلوم کی عمارت میں رہتا تھا تو ایک دن صبح کے وقت بس ھال کے سامنے سے گذر رہا تھا۔ کہ مولانا سید سلیمان ندوی آتے نظر آئے میں نے سلام علیکم کیا انھوں نے پوچھا کہاں جارہے ہو میں نے کہا سوال حل کرنے جا رہا ہوں۔ انھوں نے فوراً ٹوکا اور کہا صحیح تلفظ سُوال نہیں سُوال ہے۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ہمارے والد عزیز الدین صاحب سے ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کے والد مولانا عبدالحئی صاحب سے تعلقات تھے۔ اس کے بعد شروع میں کچھ دنوں تک انھوں نے ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کا بھی علاج کیا اس طرح میں بچپن ہی سے ڈاکٹر عبدالعلی صاحب سے متعارف تھا۔ اس کے بعد جب میرا قیام لکھنؤ میں ہوا تو میں بھی انھیں کا علاج کرتا رہا وہ میرے گھر کے معالج تھے۔ وہ عرصے تک ندوہ کے ناظم رہے۔ اس کی وجہ سے بھی ان سے میرا تعلق رہا۔

ڈاکٹر صاحب مرض کی تشخیص بہت صحیح کرتے تھے۔ ان کے پاس علاج کے لئے بھانت بھانت کے لوگ آتے تھے مجھے یاد ہے کہ ان کے پاس علاج کے لئے ایک صاحب آیا کرتے تھے جو اپنے ذاتی تانگے پر آتے تھے ان کے ساتھ ان کے ایک مصاحب رہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب دوا کا نام بولتے تھے نواب صاحب کے مصاحب استخارہ دیکھتے تھے۔ کہ یہ دوا راست ہے کہ نہیں مصاحب آدمی سمجھدار تھے کیونکہ وہ عام طور پر اکثر دوائیں درست قرار دیتے تھے۔

میں نے ایک مرتبہ ڈاکٹر صاحب سے پوچھا یہ کیا ہے تو انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا بس مسکراتے رہے۔ جب ملک کا بٹوارہ ہوا۔ اور پاکستان سے پناہ گزیں لکھنؤ آئے۔ تو میں نے دیکھا کہ پناہ گزینوں کی اچھی خاصی تعداد ڈاکٹر صاحب کو دکھانے آتی۔ ایک دن ایک پناہ گزیں بوڑھی خاتون نے ڈاکٹر صاحب سے پھونک چھوڑنے کی بھی فرمائش کردی ڈاکٹر صاحب نے ان کا دل نہیں توڑا اور پھونک چھوڑ دی۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ڈاکٹر صاحب کسی مریض کو لٹکاتے نہیں تھے بلکہ صاف صاف بتا دیتے تھے ۔ میری منجھلی لڑکی ریحانہ بچپن سے بیمار رہتی تھی ۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو دکھایا انھوں نے دوا دی ۔ اس سے اسے کوئی فائدہ نہیں ہوا ۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے کہا کہ دوا تو یہی ہے مگر شاید میرے ہاتھ سے اس کی شفا نہیں لکھی ہے آپ کسی دوسرے ڈاکٹر کو دکھائیے ۔ میں نے دوسرے ڈاکٹر کو دکھایا اس نے بھی وہی دوا تجویز کی اور فائدہ ہو گیا ۔ مجھے اتنا عقیدہ ہو گیا تھا کہ جب تک میں ڈاکٹر صاحب کو دکھا نہ لوں مجھے اطمینان ہی نہ ہوتا تھا میں انھیں کے مشورہ سے دوسرے طبیب کے پاس جاتا تھا ۔

ان میں خاص بات یہ تھی کہ وہ کسی طریقہ علاج سے تعصب نہیں رکھتے تھے وہ ایلوپیتھک، یونانی، اور ہومیوپیتھک جس دوا کو مریض کے لئے مناسب خیال کرتے تھے تجویز کرتے تھے وہ ایلوپیتھ ہونے کے علاوہ طب اور ہومیوپیتھی میں بھی کافی دخل رکھتے تھے ۔

جامعہ ملیہ عبدالسلام صاحب رئیس احمد جعفری اور میں جامعہ جانے کے لئے دہلی روانہ ہوئے جامعہ ملیہ میں پہلے سے کافی ندوی موجود تھے حسین حسان ندوی، حفیظ الدین ندوی جلیل و خلیل ندوی، حفیظ الدین صاحب تردل

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

باغ میں ایک ہوسٹل میں رہتے تھے اور مکتبہ جامعہ میں کام کرتے تھے ہم لوگ انھیں کے یہاں گئے وہ اپنے کمرے میں موجود نہیں تھے اس وقت دن کے گیارہ بجے ہوں گے ان کے کمرے میں ایک عرب صاحب ملے وہ اردو بہت کم جانتے تھے ہم لوگوں نے اپنا تعارف عربی میں کرایا۔ عرب مہمان نواز تو ہوتے ہی ہیں انھوں نے ہم لوگوں کے کھانے کا انتظام کیا کھانا تو مطبخ سے آتا ہی تھا لیکن عرب صاحب نے ہم لوگوں کے لئے الگ سے گوشت پکایا کھانا تیار ہو گیا لیکن حفیظ صاحب نہیں آئے عرب صاحب نے ہم لوگوں سے اصرار کیا کہ کھانا کھائیے ہم لوگ کھانے کے لئے بیٹھ گئے عرب صاحب کے پکائے گوشت کے شوربے میں لقمہ ڈبو کر جو منہ میں رکھا تو لقمہ کسی طرح حلق کے نیچے نہ اتارا جا سکا شوربہ نمکین ہونے کے بجائے میٹھا تھا بڑی مشکل سے عرب صاحب کی نظر بچا کر ہم لوگوں نے اسے تھوک دیا اور پھر عرب صاحب کے پکائے گوشت میں ہاتھ نہیں لگایا عرب صاحب مزے میں میٹھا شوربہ کھاتے رہے۔

تھوڑی دیر کے بعد حفیظ صاحب آ گئے صاحب سلامت اور خیریت خیر سلا کے بعد ہم لوگوں نے کہا کہ عرب صاحب نے ہماری بڑی خاطر کی مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ عرب صاحب نے ہم لوگوں کے لئے جو گوشت پکایا تھا اس کا شوربہ نمکین ہونے کے بجائے میٹھا تھا کیا عرب میں میٹھا شوربہ کھایا جاتا ہے یہ سن کر حفیظ صاحب کو بھی تعجب ہوا اور عرب سے انھوں نے پوچھا کہ آپ نے میٹھا شوربہ کیوں پکایا تھا وہ مسکرائے اور انھوں نے کہا کہ نمک زیادہ

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ہو گیا تھا اس کے بعد نے اس میں شکر ڈال دی تھی۔ یہ سن کر ہم سب
لوگ ہنسنے لگے۔ میں نے حفیظ صاحب سے کہا مگر عرب صاحب میٹھا
شوربہ خوب مزے سے کھاتے رہے اس پر حفیظ صاحب نے کہا عرب صاحب
میٹھا شوربہ نہیں کھا رہے تھے بلکہ آنا کی طرح اپنے دام کھا رہے تھے۔

جامعہ ملیہ میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آنے والے طلباء کے
لئے خاص انتظام کیا تھا اور ان سب کے لئے ایک اسپیشل کلاس کھول دیا گیا
تھا جس میں انگریزی اور دوسرے مضامین ریاضی وغیرہ کی تعلیم دے کر
میٹرک کے برابر [illegible] کر دیا جاتا تھا ہم لوگ ندوہ میں انگریزی سے
دور تھے اس لئے پیچھے تھے یہاں انگریزی کی قابلیت انٹر کے مساوی کرنے
کی قابلیت [illegible] نہیں ہوگی۔ اسپیشل کلاس میں پڑھانے والے استادوں
میں عاقل حسین صاحب، مجیب اور برکت علی صاحب تھے۔ ذاکر صاحب
کو پڑھانے کے لئے کام بہت تھا اس لئے کبھی ان کی جگہ شفیق الرحمان
صاحب یا کوئی دوسرے استاد ہم لوگوں کو پڑھانے چلے آتے تھے۔

مجیب صاحب حال ہی میں جرمنی سے آئے تھے مجیب صاحب
کافی خوبصورت تھے اور وہ ہمیشہ بھی انگریزی کے
ہیٹ پہنتے تھے اس زمانے میں جامعہ ملیہ قرول باغ میں تھا
ایک عمارت میں چھوٹے لڑکے رہتے تھے جس کے نگراں سعد الدین
صاحب ندوی تھے شاید اس عمارت کا نام کاشانہ منزل تھا دوسری
عمارت میں پڑھائی ہوتی تھی۔ لائبریری بھی تھی اور بڑے لڑکے اسی
کے پاس ایک عمارت میں رہتے تھے۔ ہم لوگ اسی عمارت میں
رہتے تھے یہ عمارت [illegible] کے پاس چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے درمیان

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

تھی قرول باغ میں اس وقت بہت کم آبادی تھی اور آس پاس جنگل ایسا تھا تعلیم کمروں میں ہوتی تھی جہاں چٹائی پر دری بچھی ہوتی تھی وہاں کے استاد بلا تفریق سب صرف پچھتر (۷۵) روپیے ماہوار لیتے تھے اور بڑی لگن کے ساتھ اس ادارے کو چلا رہے تھے ان کا ایثار و خلوص قابل رشک تھا۔ ڈاکٹر ذاکر صاحب بڑے خوش مزاج استاد تھے پڑھاتے وقت دلچسپ قصے جرمنی وغیرہ کے سنایا کرتے تھے اسپیشل کلاس میں زیادہ تر لڑکے ندوہ اور دیوبند سے آئے تھے ایک روز ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب پڑھانے کے بعد ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے معلوم نہیں کون سی بات نکلی کہ انھوں نے مجھ سے پوچھا آپ تاش کھیلنا جانتے ہیں میں نے کہا نہیں اس کے بعد رئیس احمد جعفری سے پوچھا انھوں نے بھی کہا میں نہیں جانتا پھر انھوں نے یہی سوال عبدالسلام قدوائی اور دیوبند کے ایک مولانا سید احمد صاحب سے کیا دونوں نے شرماتے ہوئے کہا ہم لوگ تاش کھیلنا جانتے ہیں اس پر ڈاکٹر صاحب ہنسنے لگے اور کہا میں سمجھتا تھا یہ دونوں یعنی میں اور رئیس احمد جعفری تاش کھیلنا جانتے ہونگے کیونکہ ہم دونوں داڑھی منڈے تھے اور عبدالسلام قدوائی اور دیوبند کے مولانا سید احمد داڑھی رکھائے تھے۔ ذاکر صاحب ایسے دلچسپ طریقے پر پڑھاتے تھے کہ جی چاہتا تھا کہ ان کا گھنٹہ ختم نہ ہو۔ ایک دن کلاس میں معلوم نہیں کس طرح خدا کے وجود اور عدم وجود پر بات چلی ڈاکٹر ذاکر صاحب نے کہا کہ سیف سائڈ یہ ہے کہ خدا کے وجود کو تسلیم کر لیا جائے کیونکہ اگر خدا نہیں ہے تو کوئی بات نہیں اور اگر ہے تو نہ ماننے کی شکل میں نقصان ہے۔

برکت علی صاحب ہم لوگوں کو ریاضی پڑھاتے تھے وہ عجیب و

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

غریب آدمی تھے کلاس میں کبھی ناغہ نہیں کرتے تھے ٹھیک وقت پر آتے تھے اور ٹھیک وقت پر چلے جاتے تھے۔ ایک دن آئے اور ہنس ہنس کر پڑھانا شروع کر دیا مگر ان کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے بخار ہے بعد کو پتہ چلا کہ اس وقت انھیں ۱۰۲ ڈگری بخار تھا۔ ہم لوگوں کو اسلم جیراجپوری سے بھی پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ان کے پڑھانے کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ بہت کم وقت میں زیادہ سے زیادہ پڑھا دیتے تھے اور اس ڈھنگ سے پڑھاتے تھے کہ ذہن نشین ہو جاتا تھا۔ وہ حقے کے بہت شوقین تھے ان کے یہاں جب کبھی جانا ہوا وہ حقہ پیتے ملے۔ میں مدرسہ میں ہاکی کھیلتا تھا جامعہ ملیہ میں کیلاٹ صاحب جو لی، اے وغیرہ تھے انگریزی پڑھاتے تھے انھیں کھیل اور ورزش سے بڑی دلچسپی تھی انھیں جب معلوم ہوا کہ میں ہاکی کا پلیر ہوں تو انھوں نے مجھے ہاکی کھیلنے پر آمادہ کیا اس کے بعد وہ ہاکی کے میچوں میں مجھے کھیلنے کا موقعہ دینے لگے وہ بڑی خوبیوں کے آدمی تھے ان کے کوئی اولاد نہیں تھی غالباً انھوں نے شادی ہی نہیں کی تھی انھوں نے محلہ کے ایک غریب لڑکے کو پال لیا تھا وہ لڑکا مسلمان گھرانے کا تھا کیلاٹ صاحب عیسائی تھے لیکن انھوں نے اسے قرآن شریف پڑھانے اور نماز سکھانے کا خاص انتظام کیا تھا۔

شفیق الرحمان صاحب نے ہم لوگوں کو پڑھایا تو بہت کم کبھی کبھی جب ذاکر صاحب نہ ہوتے تو پڑھانے آتے تھے لیکن ان کی شفقت کی یاد اب تک تازہ ہے ہم لوگوں کو جب کوئی کام پڑتا تو وہ ہم لوگوں کی پوری مدد کرتے جامعہ سے چلے آنے کے بعد

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

بھی جب کبھی لکھنؤ میں ملتے تو مصافحہ پر اکتفا نہ کرتے بلکہ گلے ضرور لگاتے۔ مجیب صاحب سے کلاس کے علاوہ گھر پر بھی ملنے کا اتفاق ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم نام ہونے کی بنا پر کبھی کبھی ان کے خط میرے پاس آجاتے تھے جب ان کا کوئی خط غلطی سے میرے پاس آجاتا تو میں اسے دینے کے لئے ان کے گھر جاتا وہ بڑی محبت سے ملتے اور شکریہ ادا کرتے۔

ہمارے ہوسٹل کے پاس ایک چھوٹی سی پہاڑی پر ایک تالاب تھا۔ کیلاٹ صاحب ہم لوگوں کو تیرنا سکھانے کے لئے وہاں لے جاتے تھے کبھی کبھی ہم لوگ خود وہاں نہانے چلے جاتے اس تالاب کا پانی بہت صاف اور ٹھنڈا تھا۔ اسی جگہ ایک پرانی عمارت تھی ہم لوگ اسے دیکھنے گئے جب دیکھ کر لوٹے تو اسی جگہ گھاس چھیلنے والے گھسیارے سے پوچھا اس عمارت کو کیا کہتے ہیں گھسیارے نے کہا بھولی بھٹیاری، مگر یہ نام ہماری سمجھ میں نہیں آیا دوسرے دن جب ہم لوگ مجیب صاحب کے کلاس میں گئے تو ہم لوگوں نے ان سے کہا کہ تالاب کے پاس جو پرانی عمارت ہے اس کا نام ایک گھسیارے نے بھولی بھٹیاری بتایا ہے یہ سن کر وہ بڑی زور سے ہنسے اور انھوں نے بتایا کہ بوعلی بختیاری کی یہ بگڑی ہوئی شکل ہے۔

اس زمانے میں ہاکی کے کیپٹن حیدرآباد کے ایک حسین صاحب تھے ہاکی کے کھلاڑیوں میں ذاکر صاحب کے بھتیجے مسعود حسن خاں صاحب بھی تھے ایک مرتبہ ہم لوگ میچ کھیلنے گئے وہاں سے لوٹے تو مغرب کا وقت آگیا۔ میں قریب کی ایک اجاڑ سی مسجد میں جا کر نماز پڑھنے لگا

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

نماز ہو چکی تھی اور اس وقت مسجد میں صرف ایک صاحب بیٹھے وظیفہ پڑھ رہے تھے جب میں نماز پڑھ رہا تھا تو میں نے محسوس کیا کہ وہ صاحب کھسکتے ہوئے میرے قریب آرہے ہیں پاس آکر انھوں نے میرے پائجامے کی موہری اوپر چڑھانی شروع کی میں جھنجھلانے ہی والا تھا کہ مجھے خیال آگیا کہ مولانا ٹخنوں کے نیچے موہری اوپر چڑھانے کا فرض ادا کر رہے ہیں۔

ہاکی کھیلنے والوں میں ڈاکٹر عابد حسین صاحب کے رشتے سے بھائی بھی تھے جن کا نام یاد نہیں رہا لیکن ان کی عرفیت میرن تھی ہم لوگ ان کو میرن صاحب ہی کہتے تھے وہ کافی عرصے کے بعد ہمدرد دواخانے کے حکیم کی حیثیت سے لکھنؤ آئے۔ لکھنؤ کے قیام میں ان کا ہمارے یہاں کافی آنا جانا رہا وہ بڑے مخلص، صاف دل اور محبت کرنے والے آدمی تھے وہ کھلے دل سے ملتے تھے اور تکلفات سے بالکل بری تھے ان کا ادبی ذوق اچھا خاصا تھا کچھ شاعری بھی کرتے تھے ہمارے یہاں سے ان کے بالکل گھریلو تعلقات ہو گئے تھے جب ان کا تبادلہ یہاں سے مراد آباد ہو گیا تو وہاں میری بڑی لڑکی عطیہ کے یہاں ان کا آنا جانا رہا عطیہ کے شوہر اظہر حسین سبزواری مراد آباد مسلم کالج کے پرنسپل ہیں اور عطیہ بھی اسلام گرلس کالج میں ٹیچر ہیں جب تک وہ مراد آباد میں رہے ان کی خیریت معلوم ہوتی رہی مراد آباد سے چلے جانے کے بعد ان کا کوئی حال نہیں معلوم ہوا تھوڑے دن ہوئے میرے داماد کا خط مراد آباد سے آیا جس سے معلوم ہوا کہ بھائی میرن صاحب کا انتقال ہو گیا جس کا بڑا افسوس ہوا اللہ انھیں غریق رحمت کرے۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

دہلی کی آب و ہوا مجھے راس نہ آئی۔ اس زمانے میں قرول باغ میں بڑے مچھر تھے وہاں میں ملیریا میں مبتلا ہو گیا اور گھر چلا آیا۔ دوسرے سال پھر جامعہ جانے کے بعد بیمار پڑ گیا اور گھر آنا پڑا تب گھر والوں نے دہلی جانے سے روک دیا۔ اس طرح جامعہ ملیہ میں میرا قیام بہت کم رہا رئیس احمد جعفری اور عبدالسلام قدوائی وہیں رہے اس کے بعد رئیس صاحب بمبئی کے روزنامہ خلافت میں چلے گئے کچھ دنوں بعد عبدالسلام صاحب بھی خلافت میں کام کرنے لگے رئیس صاحب تو خلافت ہی میں رہے لیکن عبدالسلام صاحب لکھنؤ واپس آ گئے۔

ہم لوگ جب تک دہلی میں رہے لکھنؤ کی یاد ہمیں ہر وقت ستاتی رہی ہم چھٹیوں کے لئے دن گنتے رہتے کہ چھٹیاں ہوں اور ہم لوگ لکھنؤ پہونچ جائیں جب دہلی سے لکھنؤ کے لئے ریل پر سوار ہوتے تو کانپور اسٹیشن آنے کا انتظار کرتے رہتے کیونکہ وہاں پہونچنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے لکھنؤ ہمیں دور سے دکھائی دیتا ہے۔ لکھنؤ پہونچنے پر ندوہ جانا ہم لوگوں کا پہلا کام ہوتا۔

بارہ بنکی میں قیام

جامعہ سے گھر واپس آنے کے بعد گھر والوں کی رائے ہوئی اب یہیں کسی اسکول میں داخلہ دے کر باقاعدہ پڑھا جائے۔ جامعہ میں رہنے سے انگریزی ایسی ہو گئی تھی کہ ہائی اسکول میں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کوئی دقت نہ ہوتی لیکن ریاضی ہی تیاری کرنی تھی۔ اس زمانے میں ہماری منجھلی بہن فاطمہ بجیا کے شوہر رئیس احمد خاں عرف اچھن میاں بارہ بنکی میں دھنو کھر تالاب کے پاس ایک محلے میں رہتے تھے ہماری بہن عام طور پر اپنے میکے سنبھالی ہی میں رہتی تھیں۔ مکان کرائے کا تھا کوئی بڑا نہیں تھا نیچے والا حصہ کچھ بند بند تھا نہ تازہ ہوا آتی تھی نہ دھوپ اوپر کا حصہ کھلا تھا اور رہنے کے قابل تھا دو کمرے تھے صحن تھا باورچی خانہ، غسل خانہ سب کچھ تھا اوپر چھت پر جانے کے لئے زینہ تھا۔ گرمیوں میں رات کو ہم لوگ اوپر چھت ہی پر لیٹتے تھے۔ کھانا پکانے پڑوس کی ایک عورت آتی تھی۔ ہمارے بہنوئی دن میں کچہری چلے جاتے تھے۔ کافی سکون رہتا تھا پڑھنے کا موقعہ ملتا تھا۔ ریاضی کی تیاری کے لئے ایک ماسٹر صاحب جو گورنمنٹ اسکول بارہ بنکی میں پڑھاتے تھے پانچ بجے آتے تھے پنڈت آدمی تھے پیاز لہسن سے پرہیز کرتے تھے مجھے یاد ہے جب نوکرانی گوشت بگھارتی تھی تو وہ رومال سے ناک بند کر لیتے تھے بڑے نیک اور اپنی ڈیوٹی کے پابند تھے بہت کم ناغے کرتے تھے اور محنت سے پڑھاتے تھے۔

دوپہر کو جب سب لوگ چلے جاتے تھے اور میں میز کے سامنے کرسی پر بیٹھ کر پڑھتا تھا تو ایک دن میں نے محسوس کیا سامنے والے گھر کی کھڑکی سے کوئی صاحبہ جھانکتی ہیں مگر جب میں ادھر دیکھنے لگتا ہوں تو وہ بیٹھ جاتی ہیں ان کی اس اٹھا بیٹھی سے مجھے بھی دلچسپی پیدا ہوئی مگر ایک مرتبہ اتوار کے دن ہمارے بہنوئی نے یہ اٹھا بیٹھی دیکھ لی یہ صاحبزادی ان کے جاننے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

والے کی لڑکی تھیں شاید انھوں نے شکایت کردی اور ان کی تاک جھانک ختم ہوگئی۔

وہاں ایک بہت دلچسپ تجربہ ہوا۔ ہمارے ایک دور کے عزیز قریب کے گاؤں میں رہتے تھے بارہ بنکی آتے تو ہمارے بہنوئی کے یہاں ٹھہرتے ادھیڑ عمر کے لمبے چوڑے خوبصورت آدمی تھے گرمیوں میں ہمیں تنزیب کا صاف شفاف کرتا اور کناری دار عمدہ قسم کی دھوتی باندھتے تھے وہ پیتے پلاتے بھی تھے موج میں آکر فارسی کے اشعار پڑھتے اور مجھے ان کا مطلب بتاتے ایک مرتبہ دوپہر کو وہ آئے ان کے ساتھ ان کی ایک محبوبہ بھی تشریف لائیں مگر وہ میرے کمرے کی طرف نہیں آئیں بلکہ سامنے والے برآمدے میں کرسی پر بیٹھ گئیں ہمارے وہ عزیز اپنے ساتھ شراب کی بوتل، مٹھائی اور کباب بھی لائے تھے انھوں نے سب چیزیں میز پر لگائیں اور مجھ سے پکار کر کہا آؤ بھیا مجیب مٹھائی تو تم کھا ہی سکتے ہو ان کی محبوبہ نے اشارے سے ان کو منع بھی کیا وہ اصرار کرتے رہے اس پر ان کی محبوبہ نے ایک پلیٹ میں مٹھائی اور کباب رکھ کر ان سے کہا جاکر دے آئیے بھیا پڑھ رہے ہیں ان کو کیوں بلاتے ہیں اس طرح میری جان چھوٹی۔ بارہ بنکی میں علی اصغر بھائی، سخاوت صاحب، حامد صاحب میں بڑی دوستی تھی اب ان میں سے صرف سخاوت صاحب رہ گئے ہیں اور لوگوں کا انتقال ہوگیا ہے علی اصغر بھائی سہالی میں ہمارے منجھلے بھائی کے ساتھ بہت دنوں تک رہے ان میں بعد کو بڑی تبدیلی ہوگئی نماز روزے کے پکے پابند ہوگئے داڑھی بھی رکھ لی ان کی کپڑے کی دکان گھنٹہ گھر کے پاس تھی اور ان

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کی ایمانداری کی وجہ سے اچھی خاصی چلتی تھی مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔

ابھی کچھ دن ہوئے بارہ بنکی جانا ہوا جب دھنو کھر تالاب پر پہونچا تو گھر یاد آیا اور بے اختیار قدم اس طرف بڑھنے لگے مگر اس لمبے عرصے میں وہاں کی دنیا بدل چکی تھی بڑی مشکل سے وہ گھر ملا۔ اس پرانے مکان کی جگہ نیا مکان بن گیا تھا۔ سامنے والے مکان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی مگر وہ کھڑکی بند تھی جس سے وہ صاحبزادی جھانکا کرتی تھیں۔

بارہ بنکی میں ریاضی کی تیاری کے بعد جولائی میں نویں درجے میں داخلے کا سوال پیدا ہوا۔ عام طور پر اسکولوں میں نویں درجے میں داخلہ مشکل سے کرتے ہیں۔ ہمارے گاؤں سہالی کے ہمارے ایک عزیز فیضو بھائی کانپور میں ملازم تھے ان کے بھتیجے اعجاز گرمیوں کی چھٹی میں سہالی آئے وہ کانپور میں فیضو بھائی کے ساتھ رہتے تھے اور وہیں کالج میں پڑھتے تھے وہ اچھے طالب علم تھے انھوں نے ہائی اسکول فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا تھا انھوں نے کہا اگر تم کانپور میں پڑھنا چاہو تو میں وہاں حلیم مسلم کالج چمن گنج میں تمہارا داخلہ کرا سکتا ہوں وہ حلیم مسلم کالج میں نہیں پڑھتے تھے لیکن وہاں ان کے تعلقات تھے میں تیار ہو گیا اور جب اسکول کالج کھلے تو میں کانپور پہونچ گیا انھوں نے حسب وعدہ حلیم کالج میں میرا داخلہ کرا دیا ہاں اس جگہ یہ بتا دینا مناسب ہوگا کہ داخلے کے وقت اعجاز صاحب نے میری جو عمر لکھائی وہ میری اصلی عمر سے چھ سال کم تھی انھوں نے میری تاریخ پیدائش ۱۶ فروری ۱۹۱۶ء لکھوائی۔ انھوں نے رہنے اور کھانے کا مسئلہ بھی حل کر دیا حلیم کالج میں اصطفےٰ علی صاحب

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ٹیچر تھے وہ کاکوری کے رہنے والے تھے اور چمن گنج میں حلیم کالج کے پاس ہی اپنے بال بچوں کے ساتھ ایک بڑے سے مکان میں رہتے تھے اوپر کے حصے میں وہ رہتے تھے نیچے کے حصے میں ان کے ایک عزیز جو نویں درجے میں تھے رہتے تھے انہی کے ساتھ میرے رہنے کا انتظام کر دیا گیا۔ وہ صاحبزادے جو میرے ساتھ رہتے تھے ان کا نام مجھے یاد نہیں رہا ہم لوگ۔ غالباً نور میاں نو میاں کہتے تھے وہ کچھ دن حیدرآباد میں رہے تھے۔ اصطفےٰ علی صاحب کے ساتھ ان کی بیوی کا بھائی رفیع بھی رہتا تھا وہ ہم لوگوں سے چھوٹا تھا وہ ہرگاؤں ضلع سیتاپور کے قاضی پٹن صاحب کا بیٹا تھا۔ وہ بڑا پیارا اور محبت کرنے والا لڑکا تھا اور بڑا ہنس مکھ تھا وہ مجھے بڑے بھائی کی طرح مانتا تھا مگر وہ زیادہ دن ہم لوگوں کا ساتھ نہ دے سکا اور کم عمری ہی میں انتقال کر گیا جس کا ہم لوگوں کو بڑا افسوس ہوا۔

جہاں تک اصطفےٰ علی صاحب کا تعلق ہے وہ آدمی نہیں فرشتہ تھے کافی قابل آدمی تھے تاریخ پڑھاتے تھے اس کے علاوہ ان کی انگریزی بھی بہت اچھی تھی ان کی نیکی کا یہ عالم تھا کہ اگر ہم میں سے کوئی نیچے کمرے میں ان کی مسہری پر لیٹ کر سو جاتا تھا تو وہ اسے جگاتے نہیں تھے بلکہ تخت پر لیٹے رہتے تھے دوپہر میں وہ نیچے کے حصے میں لیٹتے تھے کیونکہ نیچے ٹھنڈا رہتا تھا۔ وہ مکان کوٹھی نما تھا سامنے برآمدہ تھا اس کے پیچھے بڑا کمرہ اغل بغل چھوٹے کمرے تھے برآمدے کے آگے صحن تھا۔ اور چہار دیواری بنی تھی سامنے والے حصے کے پیچھے اندر صحن کمرہ برآمدہ باورچی خانہ اور غسلخانہ وغیرہ تھا اندر آنے کا راستہ

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

بغل میں تھا۔ ہم لوگ بڑی فراغت اور آرام سے رہتے تھے۔

کھانا کاکوری کے ایک بوڑھے میاں جن کا نام غالباً منے خاں تھا پکاتے تھے اور بہت اچھا پکاتے تھے خصوصیت کے ساتھ دھوئی کی دال۔ مگر مزاج کے چڑچڑے تھے ذراسی بات پر خفا ہو جاتے ان سے ہم ہی لوگ نہیں اصطفےٰ علی صاحب بھی ڈرتے تھے یا لحاظ کرتے تھے مگر کاکوری کے ایک یونس بھائی تھے ان سے ان کی نہیں پٹتی تھی اور منے خاں ان سے خوش نہیں رہتے تھے اتنا عرصہ گذر گیا ہے اکثر لوگ اللہ کے پیارے ہو چکے ہیں لیکن یاد باقی ہے جب کبھی کانپور جانا ہوتا ہے تو وہ مکان دیکھنے کے لئے دل تڑپ اٹھتا ہے۔

جب میں کانپور میں اصطفےٰ علی صاحب کے ساتھ رہتا تھا اس وقت میرے ساتھ نور میاں کے علاوہ کاکوری کا ایک لڑکا اشہر بھی تھا وہ اصطفےٰ علی صاحب کا عزیز تھا وہ پڑھنے لکھنے کا بڑا شوقین تھا۔ مزاج کا بھی نیک تھا اس کی صورت اس وقت بھی نظروں کے سامنے ہے چھوٹا سا قد، گیہواں رنگ بڑی بڑی آنکھیں چوڑی پیشانی ہنستا ہوا چہرہ۔

ہمارے ساتھ یونس بھائی بھی رہتے تھے اور سندیلہ کے ایک مرتضیٰ علی صاحب بھی رجسٹراری کی ٹریننگ کے سلسلے میں کچھ دن ہم لوگوں کے ساتھ رہے تھے۔ اشہر معلوم نہیں کیونکہ یونس بھائی سے کچھ کھنچا کھنچا سا رہتا تھا۔ منے خاں سے بھی اس کی نہیں بنتی تھی۔ کانپور سے آنے کے بعد اشہر سے ایک مرتبہ لکھنؤ میں اتفاقاً ملاقات ہوگئی تھی اس کے بعد سے پھر کچھ پتا نہیں کہ وہ کہاں ہے۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کانپور میں ہمارے ایک کلاس فیلو احمد علی صاحب تھے۔ کلاس میں میرے بہت کم لڑکوں سے تعلقات تھے صرف احمد علی سے دوستی تھی ان کا مکان محمد علی پارک کے سامنے تھا میں ان کے یہاں جایا کرتا تھا۔ ان کا ایک چھوٹا بھائی بھی تھا جس کا نام یاد نہیں احمد علی صاحب بڑے سیدھے آدمی تھے ان کی صحت اچھی نہیں تھی ان کے چہرے پر سرخی کے بجائے زردی سی تھی۔ پڑھنے کے بعد جب کانپور جانا ہوا تو پتہ چلا کہ ان کا انتقال ہو گیا اللہ ان کو جنت نصیب کرے۔

اس زمانے میں حلیم مسلم کالج میں علی گڑھ کے پڑھے کئی نوجوان لیکچرر آگئے تھے ان میں ایک فخر الحسن صاحب بھی تھے جو بعد کو منصف ہو گئے تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی ضیاء الحسن ہم لوگوں کے ساتھ پڑھتے تھے بڑے ذہین اور اچھے آدمی تھے۔ میری منجھلی بہن فاطمہ بجیا کو دق کا مرض ہو گیا تھا اس زمانے میں یہ مرض لا علاج سمجھا جاتا تھا جب میں کانپور جانے لگا تو منہارہ دری میں چارپائی پر لیٹی تھیں سوکھ کر کانٹا ہو گئی تھیں جب میں جھک کر ان سے گلے ملا تو ان کے سینے میں ہڈی کے علاوہ گوشت کا نام نہیں تھا ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور میں اپنے آنسو پونچھتا گھر سے رخصت ہوا کچھ ہی دن بعد حلیم کالج میں ان کے انتقال کا تار آیا حبیب صاحب نے مجھے تار نہیں دکھایا اور بتایا کہ تمہاری بہن کی حالت اچھی نہیں ہے تم فوراً گھر چلے جاؤ۔ اور انھوں نے مجھے اسی وقت چھٹی دلا دی اس زمانے میں کالج کے پرنسپل ایک پنجابی صاحب تھے جو ڈسپلن

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کا بڑا خیال رکھتے تھے لیکن ان میں انسانیت کی بڑی کمی تھی۔

میں دو سال وہاں رہا۔ حساب میں بہت کمزور تھا میں اس کی کمی پوری کرنے ریاضی کے ایک ٹیچر کے یہاں ٹیوشن پڑھنے جاتا تھا مگر اس کے باوجود ہائی اسکول میں ریاضی میں کچھ نمبروں سے فیل ہوگیا۔

ابھی حال ہی میں ایک برات میں کانپور جانا ہوا۔ اتوار کا دن تھا وہاں حلیم کالج کے ڈگری سکشن کی عمارت میں برات ٹھہری تھی پرانی عمارت جس میں ہم لوگ پڑھتے تھے دیکھنے کو دل چاہا۔ وہاں بھی گیا لیکن اس عرصے میں اتنی تبدیلی ہوگئی کہ نقشہ ہی بدل گیا۔ اس موقعہ پر نیفو بھائی کے صاحبزادے غلام محی الدین جنھیں ہم لوگ چھمن چھدن کہتے تھے ان سے بھی ملاقات ہوگئی وہ بڑے خلوص سے ملے اور گھر چلنے پر اصرار کیا لیکن وقت کی تنگی کی وجہ سے نہ جا سکا ان سے مل کر بڑی خوشی ہوئی وہ ماشاءاللہ بڑی اچھی حالت میں ہیں خدا انھیں اور ترقی دے۔

فیل ہونے کے بعد امیر الدولہ اسلامیہ کالج لکھنؤ میں داخلہ کرا لیا وہاں بھائی نسیم (دانش محل والے) میرے ساتھ تھے میں انہی کے ساتھ نئے گاؤں میں بہاؤ الدین صاحب کے مکان میں رہنے لگا۔ ان کے مکان سے لگا ہوا حامد علی ندوی کا مکان تھا۔ بہار الدین صاحب قصبہ بجنور ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے اور بہت نیک آدمی تھے۔ ان کی انگریزی قابلیت بڑی اچھی تھی ان سے ہمیں بڑی مدد ملتی تھی ان کی صحبت اچھی نہیں تھی اسی لئے شاید انھوں نے شادی نہیں کی تھی ان کے ساتھ ان کی بھاونج، دو چھوٹے بھتیجے اور ایک بھتیجی رہتی تھی۔ ہمیں ابھی تک یاد ہے کہ صبح کے وقت اس گلی سے ایک فقیر یہ کہتا گذرتا تھا کوئی کا ہے بین مگن کوئی کا ہے میں مگن اور

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

جب وہ ہم لوگوں کو پڑھتے دیکھتا تو وہ یہ اضافہ کر دیتا کہ کوئی پڑھن لکھن میں گن کوئی کا ہے ہیں گن کوئی کا ہے میں مگن۔

حامد علی ندوی بڑی خوبیوں کے آدمی تھے انھوں نے اردو کا ایک ماہنامہ "خضرِ راہ" بھی نکالا تھا اس کے بعد ندوہ میں چائے کا ہوٹل بھی کھولا تھا ندوہ میں وہ پہلا ہوٹل تھا اس سے پہلے وہاں کوئی ہوٹل نہیں تھا یہ ہوٹل مسجد کے پاس ایک چھوٹی سی عارضی عمارت میں تھا میں جب یونیورسٹی میں پڑھتا تھا تو میں ندوہ ہی میں نجم الدین قدوائی اور عبدالسلام قدوائی کے ساتھ رہتا تھا حامد صاحب سے متعلق عجیب و غریب قصے مشہور تھے لوگ سمجھتے تھے کہ ان پر جناتوں کا سایہ ہے وہ رات کو سوتے میں اٹھتے اور دروازے کھول کر باہر نکل جاتے صبح کبھی ٹیلے والی مسجد یا شاہ مینا صاحب میں پائے جاتے مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ کابوس کے مرض میں مبتلا تھے اور اسی میں وہ یہ حرکتیں کرتے تھے بعد میں اس مرض میں کمی ہو گئی تھی ندوہ میں جب ہوٹل کر رہے تھے تب کوئی اس قسم کا واقعہ پیش نہیں آیا۔ دوپہر کے وقت ہم لوگ جہاں نہانے میں فرش پر لیٹا کرتے تھے میں ایک دن بے خبر سو رہا تھا حامد صاحب اٹھے اور اٹھ کر انھوں نے میرے اوپر میز رکھی پھر بہت سا سامان اس پر رکھا اس کے اور ہوٹل چلے گئے میں جب جاگا تو میں نے اپنے کو اس حال میں پایا میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ یا اللہ یہ مصیبت میرے اوپر کیسے اور کیوں نازل ہوئی ابھی میں اس مصیبت سے اپنے کو نجات دلانے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ حامد صاحب مسکراتے ہوئے آئے اور کہا تم زحمت نہ کرو میں ہٹائے دیتا ہوں۔ میں نے سوچا دروازے کھلے ہیں اور تم بے خبر سو رہے ہو کہیں کوئی سامان نہ

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اٹھا نہ لے جائے اس لئے تمہارے اوپر رکھ دیا تھا اس طرح سامان بھی محفوظ ہو گیا اور تم بھی اتنے میں نجم الدین آگئے اور مجھے اس حال میں دیکھ کر سب لوگ خوب ہنسے بعد میں حامد صاحب پاکستان چلے گئے اور ہم لوگ ان کی دلچسپ باتوں سے محروم ہو گئے۔ نئے گاؤں میں ہم لوگوں کے آنے سے پہلے نسیم کے بڑے بھائی رشید صاحب رہتے تھے وہ بڑے جفاکش، محنتی اور سلف میڈ آدمی تھے انھوں نے ٹیوشن کر کے خود پڑھا اپنے بھائی نسیم کو پڑھایا اور تکمیل الطب کالج سے طب کی سند لے کر پاکستان چلے گئے۔ اب وہ وہاں ایک کامیاب حکیم ہیں۔

اسلامیہ کالج لکھنؤ میں اس وقت پرنسپل عبدالحی صاحب تھے وہ ہم لوگوں کو انگریزی پڑھاتے تھے اور بڑے اچھے ڈھنگ سے پڑھاتے تھے وہ پڑھانے کے ساتھ ساتھ نصیحت بھی کیا کرتے تھے ہم لوگ شرارت میں انھیں ناصح ناداں کہا کرتے تھے۔ وہ بڑے محنتی اور مستعد آدمی تھے۔ وہاں ہمارے ساتھ بھائی نسیم دانش محل والے پڑھتے تھے ان کے بڑے بھائی رشید احمد ندوی سے ندوہ سے ہی تعلقات تھے اسی بنا پر میں انہی کے ساتھ نئے گاؤں میں رہتا تھا نسیم سے اس وقت سے جو تعلقات ہوئے وہ ابھی تک قائم ہیں وہ ایسے مرنجا مرنج خوش مزاج اور وضعدار آدمی ہیں کہ ان سے جس کا تعلق ہوا وہ مستحکم ہی ہوتا گیا اسی بنا پر ایک مرتبہ پروفیسر احتشام حسین مرحوم نے کہا تھا کہ دانش محل جائے فرار بھی ہے اور جائے قرار بھی یعنی جب آدمی گھر کے جھمیلوں سے گھبراتا ہے تو بھاگ کر یہاں آتا ہے اور یہاں آکر اسے قرار ملتا ہے۔ احتشام صاحب نے یونیورسٹی میں مجھے پڑھایا تو نہ تھا لیکن دانش محل میں انھیں قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ ان سے مل کر

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

میرے اوپر یہ تاثر ہوا کہ احتشام صاحب بات چیت میں اپنی شخصیت کا رعب بالکل نہیں ڈالتے اور یہ محسوس ہی نہیں ہونے دیتے کہ وہ اردو کے ایک مانے ہوئے ادیب اور یونیورسٹی کے پروفیسر سے بات کر رہا ہے۔ میں نے ان سے اپنی پہلی تصنیف "داد گی بیداد" کا مقدمہ لکھنے کو کہا وہ فوراً تیار ہو گئے اور کسی یاد دہانی کے بغیر مقدمہ لکھ کر دیدیا۔

اسلامیہ کالج کے اساتذہ میں سب سے زیادہ مشکور میں احمد حسین صاحب کا ہوں جو نویں اور دسویں درجے میں ریاضی پڑھاتے تھے وہ ریاضی جیسے خشک مضمون کو اس دلچسپ طریقے سے پڑھاتے تھے کہ دل بالکل نہیں گھبراتا تھا انہی کی بدولت میں ہائی اسکول پاس کر سکا ورنہ ریاضی میں میرا پاس ہونا ناممکن تھا۔ مجھے اس سے بالکل لگاؤ نہیں تھا۔

●

جبلی کالج

ہائی اسکول پاس کرنے کے بعد میں نے گورمنٹ جبلی انٹر کالج میں داخلہ کرا لیا جبلی کالج میں داخلہ بڑی مشکل سے ہوتا تھا لیکن حسینی صاحب کی سفارش سے میرا داخلہ جبلی کالج میں ہو گیا۔ میرے داخلے میں ہاکی کا کھلاڑی ہونے کی وجہ سے بھی مدد ملی۔ جب میں کالج گیا تو پہلا گھنٹہ اردو کا تھا میں اردو کلاس ڈھونڈھتا ڈھونڈھتا پہونچا تو دیکھا کہ حامد اللہ افسر صاحب کالی شیروانی اور پتلون پہنے انگریزی میں تقریر کر

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

رہے ہیں ان کی یہ تقریر تعارف کے لئے تھی آپ سے کیا چوری اس کا میرے اوپر کافی رعب پڑا۔ افسر صاحب کافی پڑھے لکھے آدمی تھے انھوں نے بچوں کے لئے ہلکی پھلکی بڑی اچھی نظمیں لکھی ہیں۔ وہ پڑھاتے بھی اچھا تھے امتحان کے زمانے میں ہم لوگ دشواریاں دور کرنے ان کے مکان پر جاتے تھے وہ ساؤتھ کمپنی کے پیچھے گلی میں رہتے تھے ان کا باہری کمرا بڑا چھوٹا تھا جس میں بیٹھنا مشکل ہوتا تھا لیکن ان کے دل میں بڑی گنجائش تھی۔

ہم لوگوں کو انگریزی خواجہ صاحب پڑھاتے تھے ان کا پورا نام یاد نہیں رہا وہ بہت آسان انگریزی بولتے تھے وہ جو پڑھاتے تھے وہ ذہن نشیں ہوجاتا تھا انگریزی ادب کے علاوہ انھیں اردو ادب سے بھی دلچسپی تھی انھوں نے اردو میں افسانے بھی لکھے ہیں جو تعداد میں تو کم ہیں لیکن ہیں بڑے دلچسپ، میں نے ان کا ایک افسانہ کسی اردو میگزین میں پڑھا تھا اس کا عنوان نیا بھابی تھا وہ مجھے بہت پسند آیا تھا۔

اس زمانے میں جبلی کالج میں علی عباس حسینی، اختر تلہری بھی تھے حسینی صاحب سے پڑھنے کا تو اتفاق نہیں ہوا لیکن دانش محل کے توسط سے ان سے قریبی تعلق رہا انھوں نے ہماری کتاب پر نیا دور میں بڑا اچھا اور تفصیلی تبصرہ لکھا تھا۔ بڑے خوش مزاج اور ہنس مکھ آدمی تھے۔

تلہری صاحب کا میرا تعلق پورے دو سال تک رہا وہ عربی پڑھاتے تھے اور میں عربی لئے ہوئے تھا مولانا تلہری کی بڑی ٹھوس قابلیت تھی وہ عربی، فارسی اردو تینوں زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ انھوں نے انگریزی زبان بھی اچھی خاصی سیکھ لی تھی۔ تنقید سے خاص

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

طور پر دلچسپی تھی وہ گہری تنقید کرتے اور بعض وقت کڑی بھی جس کی وجہ سے اردو ادب میں بحث و مباحثے کا سلسلہ بھی رہتا تھا۔ انھیں سیاست سے بھی دلچسپی تھی اس لئے پڑھانے کے بعد سیاسی مسائل پر بھی اظہار خیال کیا کرتے تھے وہ بڑے مشفق استاد تھے میں ندوہ سے عربی پڑھ کر گیا تھا اس لئے وہ مجھ سے بڑے خوش رہتے تھے خواجہ صاحب حسینی صاحب اور ظہیری صاحب میں بڑے گہرے تعلقات تھے انٹرول میں تینوں ایک جگہ بیٹھ کر تبادلہ خیالات کیا کرتے تھے۔

جبلی کالج میں ایک بنگالی ٹیچر تھے ان کا نام یاد نہیں رہا غالباً تاریخ پڑھاتے تھے کچھ دنوں انھوں نے ہم لوگوں کو انگریزی پڑھائی تھی۔ ان کی شخصیت میں بڑی کشش تھی وہ ادھیڑ عمر کے تندرست گورے رنگ کے خوبصورت آدمی تھے ان کے چہرے پر فرنچ کٹ ترشی ہوئی داڑھی بڑی اچھی لگتی تھی۔ ان کو روحانیت سے بڑی دلچسپی تھی وہ صوفیوں کا ذکر کیا کرتے ان کا کہنا تھا کہ کوئی زبان صرف کلاس میں پڑھنے سے نہیں سیکھی جا سکتی جب تک اس کا مطالعہ گھر پر تفصیل کے ساتھ نہ کیا جائے چنانچہ انھوں نے ہم لوگوں کو گھر پر پڑھنے کے لئے کتابوں کی ایک فہرست لکھا دی تھی جن کے پڑھنے سے مجھے بڑا فائدہ پہونچا جبلی کالج سے چلے آنے کے بعد بھی جب کبھی ملتے بڑی محبت سے ملتے انھوں نے شادی نہیں کی تھی اور اپنی بہن کے ساتھ رہتے تھے۔

جبلی کالج میں ہمارے ساتھیوں میں طلحہ قاری راشد اور تقی حسن خاں تھے طلحہ لکھنؤ یونیورسٹی کے پروفیسر سلطان صاحب کے عزیز تھے ان سے میرے گہرے تعلقات تھے وہ حبیب اللہ ہاسٹل کے پاس

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ایک مکان میں رہتے تھے میں ان کے یہاں ساتھ پڑھنے جایا کرتا تھا وہ پڑھنے میں تیز ہونے کے ساتھ ساتھ ہاکی کے اچھے کھلاڑی بھی تھے اور ندوہ میں ہم دونوں ہاکی کھیلنے جایا کرتے تھے کیونکہ جبلی کالج کی فیلڈ دور تھی اور وہاں پابندی سے کھیل بھی نہ ہوتا تھا تعلیم کے بعد وہ پاکستان چلے گئے اکسائز کمشنر ہوکر رٹائر ہوئے ان کے ایک چھوٹے بھائی منظفر بھی ہاکی کے اچھے کھیلاڑی تھے پاکستان میں وہ فوج کے کپتان ہوگئے تھے۔ قاری راشد لکھنؤ کے ایک مشہور قاری کے بیٹے تھے جن کا نام نہیں یاد آرہا ہے ——— وہ چوک میں رہتے تھے ہمارا ان کا ساتھ یونیورسٹی میں بھی رہا بعد کو پاکستان چلے گئے۔ تقی حسن خاں ضلع بارہ بنکی تحصیل فتحپور قصبہ بلہرہ کے رہنے والے تھے چونکہ وہ ہمارے جوار کے تھے اس لئے ہماری ان سے بڑی بے تکلفی تھی وہ بھی عربی لئے ہوئے تھے لیکن انھیں عربی بالکل نہیں آتی تھی وہ امتحان میں فیل ہوگئے اور پڑھنا چھوڑ دیا وہ بڑے محبت کرنے والے مخلص آدمی تھے۔

جبلی کالج میں ہمارے ساتھیوں میں عبادت بریلوی بھی تھے۔ ان کا مکان جبلی کالج کے پیچھے تھا۔ پرانا مکان تھا لیکن کافی بڑا مکان تھا جب کبھی ادھر سے گذرتا ہوں تو پرانی یادیں تازہ ہوجاتی ہیں۔ ہم لوگ اکثر ان کے یہاں جایا کرتے تھے عبادت تھے تو خاں صاحب لیکن ان میں خاں صاحبیت بہت کم پائی جاتی تھی۔ وہ ایک طرح سے بہت شرمیلے آدمی تھے۔ اور ان کی مسکراہٹ میں بچوں جیسی معصومیت تھی۔

جب وہ سرمہ لگا کر آتے تھے تو میں ان کو چھیڑا کرتا تھا

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

سرمہ شاید وہ اس لئے لگاتے تھے کہ رات کو دیر تک پڑھنے سے آنکھوں پر جو زور پڑتا تھا وہ دور ہو سکے۔ میں عبادت بریلوی محمد حسن قدوائی اور نسیم کبھی کبھی شام کو بیلی گارد یا گومتی پر ٹہلنے نکل جاتے تھے عبادت پتلی مہری کا پائجامہ اور شیروانی پہنتے تھے مجھے یاد ہے کہ ان کی شیروانی تھوڑی سی اونچی ہوتی تھی۔
ان کی سرمہ لگی آنکھوں کو دیکھ کر میں چھیڑنے کے لئے کہتا تھا

سرمہ جب تم لگوتی ہو
بجلی دل پر گروتی ہو

تو وہ بجلی گرانے کے بجائے مسکرا کر ہلکا سا مکا۔ میری پیٹھ پر مار دیتے تھے وہ محبت بھرا مکا اب تک یاد ہے وہ جب سے پاکستان گئے شاید صرف ایک مرتبہ ملاقات ہوئی۔ مطلب یہ کہ

ایک بار دیکھا ہے دوبارہ دیکھنے کی ہے ہوس نگاہوں کو

باقر حسین سے جبلی کالج سے تعلق پیدا ہوا۔ اور یہ تعلق برابر اس وقت تک قائم رہا جب تک وہ پاکستان نہیں چلے گئے۔ وہ بڑے مخلص اور محبت والے آدمی تھے لیکن ذرا زود رنج تھے جبلی کالج کے بعد جب ہم لوگ لکھنؤ یونیورسٹی پہونچے۔ تو ہم لوگ خالی گھنٹوں میں بھائی خورشید کے کمرے میں اکٹھا ہوتے تھے۔ بھائی خورشید بھی جبلی کالج میں ہم لوگوں کے ساتھ تھے اور یونیورسٹی میں کیننگ کالج ہوسٹل میں رہتے تھے میں ندوہ میں رہتا تھا۔ باقر اکثر مکان سے ہمارے ساتھ ندوہ چلے آتے تھے ندوہ میں نجم الدین قدوائی سے ان کے کافی تعلقات ہو گئے تھے امتحان کے زمانے میں وہ وزیر گنج سے جہاں وہ اپنے گھر والوں کے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ساتھ رہتے تھے رات میں ساتھ پڑھنے کے لئے ندوہ چلے آتے تھے۔
اور کسی کسی دن رات کو بھی یہیں رہ جاتے تھے۔

ہم لوگوں کے ساتھ سلون شریف کے محمد حسین مرحوم بھی ہم لوگوں کے ساتھ یونیورسٹی میں تھے اور ندوہ میں اپنے ایک عزیز کے ساتھ رہتے تھے وہ داڑھی رکھاتے تھے اور کافی پان کھاتے تھے۔ ہم لوگ ان کے سامنے نہیں بلکہ پیٹھ پیچھے ان کو گھگھا کہا کرتے تھے وہ بھی ہم لوگوں کے ساتھ کبھی کبھی امتحان کی تیاری کے سلسلے میں آتے تھے جب باقر کے گھر والے ردولی چلے گئے تو میں اور باقر ڈالی گنج میں ایک صاحب کے مکان کے ایک حصے میں کرائے پر رہنے لگے۔

باقر میں ہمدردی کا بڑا جذبہ تھا۔ ڈالی گنج میں ہم اپنے کمرے میں بیٹھے تھے کہ ایک لڑکا آیا اور اشاروں سے اپنی حالت زار بتانے اور پیسے مانگنے لگا۔ میں نے تاڑ لیا کہ یہ گونگا نہیں ہے۔ بلکہ بنا ہوا ہے۔ باقر نے اسے پیسے دیئے۔ جب وہ پیسے لے کر لوٹنے لگا تو میں نے کہا بھیا تم گونگے نہیں بلکہ بنے ہوئے ہو اگر تم اپنی زبان سے پیسے مانگو تو میں تمہیں پانچ روپئے دوں گا وہ مسکرایا اور پیسے مانگے۔ میں نے وعدے کے مطابق اسے پیسے دیدئے اور وہ مسکراتا چلا گیا۔

بی، اے پاس کرنے کے بعد کچھ دنوں کے لئے باقر گھر چلے گئے میں نے بی، اے کے بعد ایل، ایل بی بھی کیا اس کے بعد تلاش روزگار کے سلسلے میں باقر لکھنؤ آئے اس زمانے میں تمام بے روزگار پڑھے لکھے لوگوں کی کھپت ایم، ٹی، سی آر میں ہو رہی تھی۔ میں باقر، طلحہ اور نہ معلوم کتنے جاننے والے اس میں لگے ہوئے تھے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

یہ دفتر شہر سے کافی دور تھا۔ مجھے یاد ہے کہ بیچارے باقر میری ٹوٹی پھوٹی سائیکل پر مجھے پیچھے بیٹھا کر دفتر لے جاتے اور لے آتے تھے وہ اس زمانے میں بھائی نسیم (دالش محل والے) کے یہاں رہتے تھے۔ اس کے بعد جب قومی آواز نکلا اور محمد حسن قدوائی کے ساتھ میں بھی وہاں کام کرنے لگا تو میں نے باقر کو لکھا کہ یہاں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو انگریزی سے اردو میں ترجمہ کر سکیں اس لئے تم چلے آؤ۔ اس طرح وہ قومی آواز میں کام کرنے لگے پھر آزادی ملی ملک کا بٹوارہ ہوا۔ اور بھائی باقر بھی پاکستان چلے گئے۔

ان کے بڑے بھائی مہندی حسین صاحب بھی میرے ساتھ جبلی کالج میں تھے میں ایک سال قبل ہوگیا تھا اس لئے میرا باقر کا ساتھ ہوگیا بھائی مہندی حسین صاحب بڑے ہنس مکھ اور اور ملنسار تھے میرا ان کا زیادہ ساتھ نہیں رہا۔ لیکن جب کبھی ملتے ہیں بڑی محبت سے ملتے ہیں وہ فوج میں میجر جنرل ہوگئے تھے اب رٹائر ہوکر الہ آباد میں رہ رہے ہیں۔

باقر کے والد ہمارے وطن سہالی سے قریب پرانے قصبے کنتور کے رہنے والے تھے لیکن وہ ردولی ہی میں رہنے لگے تھے اور کنتور سے بہت کم تعلق رہ گیا تھا۔ وہ تھانے دار تھے لیکن جب ملتے تھے تو بڑی شفقت سے ملتے تھے ہمارے اور باقر کے بالکل گھریلو تعلقات ہوگئے تھے کچھ دنوں تک ہم اور باقر نعمت اللہ بلڈنگ والے مکان میں ساتھ ساتھ رہے تھے اس عرصے میں باقر کے والد بھائی مہندی حسین اور بہنوئی زیبا ردولوی سب آیا جایا کرتے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

جبلی کالج کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی میں داخلہ کرایا۔ میرے بھائیوں کا اصرار
تھا کہ میں وکالت پڑھوں اس لئے میں نے یونیورسٹی میں عربی چھوڑ دی
اور اس کی جگہ سیاست نے لی تاکہ وکالت پڑھنے میں اس سے مدد ملے
یونیورسٹی میں عربی کے کلاس میں بہت کم لڑکے تھے ہمارے ساتھی قاری
راشد نے عربی لی تھی اس وقت عربی ڈپارٹمنٹ کے ہیڈ ڈاکٹر وحید
مرزا تھے انھوں نے قاری راشد کے ذریعہ کہلایا کہ میں عربی لے لوں
کیوں کہ عربی میں صرف ایک طالب علم یعنی قاری راشد تھے میں نے
ان کے کہنے سے سیاست چھوڑ کر عربی لے لی وحید مرزا صاحب بڑے
نیک اور سیدھے آدمی تھے انھوں نے فارسی میں ڈاکٹریٹ کیا تھا
لیکن عربی میں بھی اچھی خاصی اہلیت رکھتے تھے وہ بڑے ہمدرد استادوں
میں تھے انھوں نے میری ہر قسم کی مدد کی وہ اسگریٹ کے اتنے عادی تھے
کہ ایک سگریٹ ختم ہوتے ہی دوسرا سگریٹ اسی سے جلا لیتے تھے خوبصورت
خوش مزاج، خوش پوشاک آدمی تھے پائریا کی وجہ سے انھوں نے سب
دانت نکلوا دیئے تھے مگر مصنوعی دانت نہیں لگوائے تھے ایک دن میں نے پوچھا
ڈاکٹر صاحب آپ دانت کیوں نہیں لگواتے بولے منہ میں مصنوعی دانت
سے مجھے بڑی الجھن ہوتی ہے اس لئے میں نے دانت نہیں لگوائے مگر دانت
نہ لگوانے سے ان کا منہ پوپلا ہو گیا تھا نشاط گنج میں مسجد کے پاس ان کی بڑی
سی ذاتی کوٹھی تھی کافی ٹھاٹھ باٹھ سے رہتے تھے ہم لوگ جب ان کے یہاں
جاتے تو بڑی خاطر کرتے۔

ڈاکٹر سلیم صاحب بھی ہم لوگوں کو عربی پڑھاتے تھے لیکن انھیں سیاست
سے زیادہ دلچسپی تھی یونیورسٹی کی سیاست میں بھی انھیں کافی اہمیت حاصل

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

تھی وہ اپنی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے بہت مشغول رہتے تھے۔ اس لئے پڑھائی کم ہو پاتی تھی لیکن ان کے اثرات سے ہم لوگوں کے بہت سے کام بن جاتے تھے۔

اس عرصے میں مولانا عبدالسلام قدوائی اور نجم الدین قدوائی ندوہ میں ملازم ہو گئے اور ندوہ کی عمارت میں پورٹیکو پر بنے کمرے میں رہنے لگے میں نے جب لکھنؤ یونیورسٹی میں داخلہ کرایا تو رہنے اور کھانے کا سوال پیدا ہوا میری شادی ہو چکی تھی میرے حالات ایسے نہ تھے کہ میں یونیورسٹی کے کسی ہوسٹل میں قیام کے اخراجات برداشت کرتا عبدالسلام صاحب اور نجم الدین چاہتے تھے کہ میں ان کے ساتھ رہوں لیکن باہر کا کوئی آدمی ندوہ میں وہاں کے مہتمم کی اجازت کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا اس وقت مہتمم مولانا حیدر حسین صاحب تھے عبدالسلام صاحب نے کہا کہ تم ان سے جاکر ملو مجھے امید ہے کہ وہ تم کو ہم لوگوں کے ساتھ رہنے کی اجازت دیدیں گے میں مولانا سے ملا بڑی شفقت سے پیش آئے اور کہا میاں تم خوشی سے رہو۔

ندوہ میں رہنے سے مجھے بڑی آسانی ہو گئی یونیورسٹی بالکل قریب تھی گھنٹے کی آواز تک یہاں سنائی دیتی تھی دو ایک گھنٹے اگر درمیاں میں خالی ہوتے تو میں ندوہ واپس آیا کرتا تھا اور پھر چلا جاتا تھا۔ علی جواد زیدی کے رشتے کے بھائی خورشید میرے کلاس فیلو تھے اور کیننگ کالج ہوسٹل میں رہتے تھے جو ندوہ سے بالکل ملا ہوا تھا ہم لوگ ان کے کمرے میں بیٹھ کر ساتھ پڑھتے تھے جہاں پڑھائی کم اور گپیں زیادہ ہوتی تھیں۔ وقار عظیم کے سبب سے چھوٹے بھائی معراج عظیم مرحوم میرے ساتھ پڑھتے تھے وہ

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

بڑے شرمیلے، مخلص اور محبت کرنے والے آدمی تھے۔ ان کا چہرہ اس وقت بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے چھوٹا سا قد، سالولا رنگ چمکدار نخلولی آنکھیں بڑے ذہین، پڑھنے لکھنے کے شوقین، خاموش مگر ان کا دل جذبات سے لبریز تھا۔ ان کی یاد اب تک دل میں کسک پیدا کر دیتی ہے لکھنؤ میں وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ حسین گنج جانے والی سڑک پر دائیں ہاتھ پر بنی سرخ عمارت میں اوپر کی منزل میں رہتے تھے میں ان کے یہاں اور وہ میرے یہاں آیا جایا کرتے تھے کبھی کبھی ندوہ میں پور ٹیکو پر ہمارے ساتھ رات میں وہ بھی آجاتے تھے ہلکی گرمی میں پور ٹیکو پر چاندنی رات میں بڑا اچھا لگتا تھا وہاں سے دریائے گومتی کی لہریں چھتر منزل کی خوبصورت عمارت سے ٹکراتی دکھائی دیتی تھیں۔ تھوڑی دور پر بیلی گارد کی پرانی عمارت شاہان اودھ کے عروج و زوال کی کہانی سناتی معلوم ہوتی تھی۔ معراج کا دل دکھا ہوا تھا شاید انھیں کسی لڑکی سے محبت تھی مگر کچھ پیچیدگیوں کی وجہ سے شادی نہیں ہو سکتی تھی کچھ دنوں بعد وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ پاکستان چلے گئے اور وہیں انتقال ہو گیا۔ امتحان کے زمانے میں ساتھ پڑھنے کے لئے محمد حسن قدوائی جن کا ہمارا ساتھ جبلی کالج سے تھا ہمارے یہاں آجاتے تھے لیکن وہ ہمیشہ سے لیٹ لطیف رہے ہیں اس لئے جب وہ یہاں پہونچتے تھے تو ہم لوگ سونے کی تیاری کر رہے ہوتے تھے۔ اس زمانے تک ندوہ میں بجلی نہیں آئی تھی ہم لوگ لالٹین جلا کر پڑھتے تھے محمد حسن رات کو دیر میں سونے اور صبح دیر میں اٹھنے کے عادی تھے اس لئے وہ رات کو دیر تک پڑھا کرتے تھے اور ہم لوگ سو جاتے تھے،

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

میں ہمارے ساتھ باقر حسین بھی تھے کبھی کبھی وہ بھی پڑھنے کے لئے ہمارے یہاں آجاتے تھے اس کے بعد ہمارا ان کا ساتھ اس وقت تک رہا جب تک وہ پاکستان نہیں چلے گئے۔

جب میں ندوہ میں عبدالسلام صاحب اور نجم الدین کے ساتھ بورڈنگ والے کمرے میں رہتا تھا تو بہار کے رہنے والے مولانا ناظم جو ندوہ میں مدرس تھے وہ بھی وہاں آیا کرتے تھے نجم الدین انگریزی اخبار منگواتے تھے مولانا کو بھی انگریزی پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ تھوڑی بہت انگریزی وہ جانتے تھے میں نے کہا مولانا اگر آپ کو انگریزی جلد سیکھنی ہے تو انگریزی ریڈریں پڑھنے کے بجائے آپ انگریزی اخبار پڑھنا شروع کر دیجئے آپ اردو اخبار تو پڑھتے ہی ہیں اردو اخبار پڑھنے کے بعد آپ انگریزی اخبار میں سے چھوٹی چھوٹی خبریں پڑھئے چونکہ آپ اردو میں خبر پڑھ چکے ہونگے اس لئے آپ کو انگریزی میں خبر سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

ندوہ میں میرے ہم جماعت رئیس احمد جعفری، منت اللہ مونگری اور رحمت علی صاحب کے علاوہ پنجاب کے رہنے والے ایک رشید اختر بھی تھے وہ بہت ڈبل تھے یوں صورت شکل کے لحاظ سے ٹھیک تھے لیکن بدھو ہونے کی بنا پر کبھی کبھی حماقت کی باتیں کر دیا کرتے تھے جس پر ہم لوگ ان کی خوب کھنچائی کرتے تھے وہ سیدھے تو تھے لیکن لڑنے بھڑنے والے آدمی نہیں تھے اس لئے ہم لوگوں کی چھیڑ چھاڑ کا جواب ہاتھ پیر سے نہیں بلکہ مسکراہٹ سے دیتے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

انھیں اردو کتابیں پڑھنے اور مضامین لکھنے کا شوق تھا۔ وہ الاصلاح کے کتب خانے سے کتابیں لاکر رات کو دیر تک پڑھا کرتے تھے اور صبح دیر سے اٹھتے تھے۔ ایک دن سات بج گئے اور وہ پڑے سوتے رہے۔ وہ سوتے بھی بے خبر تھے۔ ہم لوگوں کو مذاق سوجھا اور ہم لوگوں نے ان کی چارپائی اٹھا کر کندھے پر رکھی مگر وہ کسمسائے تک نہیں اس زمانے میں شبلی ہوسٹل جس میں ہم لوگ رہتے تھے۔ اس کے سامنے آم کا باغ تھا اس کے بعد فیلڈ کے پورب میں منگلا مہتر کے مکان کے پاس پائخانہ تھا ہم لوگوں نے ان کی چارپائی لا کر پائخانہ کے سامنے رکھ دی مگر وہ بدستور سوتے رہے ہم لوگ ان کی چارپائی وہیں چھوڑ کر چلے آئے۔ اس کے بعد کوئی لڑکا پائخانے گیا اور اس نے انھیں جگایا وہ جگنے کے بعد گھبرائے کہ وہ ہوسٹل سے یہاں کیسے پہونچ گئے۔ مگر وہ سمجھ گئے کہ یہ حرکت ہم لوگوں کی ہے۔

وہ ندوہ میں زیادہ دنوں تک نہیں رہے اور ندوہ چھوڑ کر چلے گئے۔ اس عرصے میں ندوہ میں سٹرائک ہوگئی اور ہم لوگ لیڈر ہونے کی بنا پر ندوہ سے نکال دیئے گئے تب ہم لوگ جامعہ ملیہ گئے وہاں کچھ دنوں کے بعد رشید اختر بھی آگئے اور ہم لوگوں کے ساتھ پڑھنے لگے۔ انھوں نے جامعہ کی لائبریری سے بھی کافی فائدہ اٹھایا۔ کچھ دنوں بعد وہ جامعہ سے چلے گئے۔ بعد کو ان کے ناول وغیرہ شائع ہونے لگے جامعہ سے جانے کے بعد ان سے کوئی رابطہ قائم نہیں رہا لیکن ان کی معصوم مسکراہٹ کی یاد اب تک تازہ ہے۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اسی زمانے میں کرسی کے قریب گاؤں اگا سیلسر کے ماسٹر عبدالحق ندوہ کے ابتدائی درجوں میں انگریزی پڑھاتے تھے وہ تھے تو ماسٹر لیکن مولویوں کے بھی کان کاٹے ہوئے تھے ٹخنوں سے اونچا پاجامہ، سر کے بال مونڈے ہونے کے برابر کچّی لمبی داڑھی، نماز روزے کے پابند چونکہ میری سسرال کرسی کے قریب گاؤں بسارہ میں تھی، اس لئے میں ان سے مذاق کیا کرتا تھا جس سے وہ محظوظ تو ہوتے تھے لیکن بظاہر ناخوشی کا اظہار کرتے تھے وہ بھی انگریزی اخبار پڑھنے نجم الدین کے یہاں آیا کرتے تھے رفتہ رفتہ کافی گھل مل گئے لیکن اپنے کو بہت لئے دیئے رہتے تھے اور ہم لوگوں کے کھلنڈرے پن کو بظاہر ناگواری سے دیکھتے تھے اور ایک طرح سے مجھے اور نجم الدین کو بددین سمجھتے تھے وہ پان کے شوقین تھے ہم لوگ پان نہیں کھاتے تھے لیکن ان کو کھلانے میں کوئی کوتاہی نہ کرتے تھے ہم لوگوں نے ان کی کچی داڑھی اور ان کے خاص حلیے کی بنا پر ان کا نام "بزّاز" رکھ دیا تھا جس پر وہ ناخوشی کا اظہار کیا کرتے تھے مگر عجب بات تھی گھوم پھر کر وہ ہمیں لوگوں کے پاس بیٹھتے تھے۔ ندوہ سے جانے کے بعد وہ کرسی کے کسی اسکول میں ملازم ہو گئے تھے بعد کو ان کا انتقال ہو گیا ان کی یاد اب بھی دل میں باقی ہے۔

اس عرصے میں عمران خاں صاحب ندوہ میں مہتمم ہو گئے یہ بھوپال کے رہنے والے خوبصورت اور تندرست آدمی تھے ندوہ میں جب میں پڑھتا تھا تو یہ مجھ سے جونیئر تھے، ہاکی کھیلتے تھے یوں بہت اچھے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

آدمی تھے لیکن مزاج میں غصہ بہت تھا جب چڑھ جاتا تھا تو آپے سے باہر ہو جاتے تھے رہتے بھی اچھی طرح تھے اور کھاتے بھی اچھا تھے اپنے دوستوں اور جاننے والوں کا بڑا خیال رکھتے تھے نجم الدین سے ان کے تعلقات بہت گہرے تھے ان کے یہاں الماری میں آم چنے رکھے رہتے تھے جب کبھی ہم لوگ پہونچ جاتے تو وہ آم کاٹ کاٹ کر ہم لوگوں کو کھلاتے تھے۔

اسی زمانے میں ہماری بڑی بہن ہاجرہ اپیا کے بڑے لڑکے افتخار نے ٹڈل پاس کیا میں اپیا کے یہاں نشاط گنج گیا تو انھوں نے مجھ سے کہا بھیا افتخار کو کہیں نوکر رکھا دو ہم لوگ آگے تعلیم نہیں دلا سکتے میں جانتا تھا کہ افتخار سمجھدار اور مستعد لڑکا ہے اس کے سپرد جو کام کیا جائے گا وہ سلیقے اور مستعدی سے کرے گا۔ میں نے اس کا ذکر عمران خاں صاحب سے کیا۔ انھوں نے کہا اسے لے آیئے میں اسے دفتر میں کلرکی کی جگہ دیدوں گا۔ دوسرے دن میں افتخار کو لے آیا اور عمران خاں صاحب سے ملایا افتخار کو دیکھ کر وہ ہنسے اور کہا ابھی اس کے کھیلنے کھانے کے دن ہیں میں نے کہا دن تو کھیلنے کودنے کے ہیں لیکن حالات اجازت نہیں دیتے آپ اسے عارضی طور پر رکھ لیجئے اگر آپ اس کے کام سے مطمئن نہ ہوں تو ہٹا دیجئے گا مجھے کوئی شکایت نہیں ہوگی اس کے بعد خاں صاحب نے افتخار کو دفتر میں جگہ دیدی۔ خاں صاحب سخت آدمی تھے وہ کام میں کسی سے رو رعایت نہ کرتے تھے۔ ان کے زمانے میں دفتر کی حالت اور نظم و ضبط بڑا اچھا رہا میں نے ایک مہینے کے بعد خاں صاحب سے پوچھا آپ افتخار کے کام سے مطمئن ہیں وہ ہنسے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اور بولے آپ جانتے ہیں کہ اگر میں مطمئن نہ ہوتا تو دوسرے ہی دن آپ
سے کہہ کر چلتا کر دیتا۔ غالب صاحب افتخار کے کام سے اتنے خوش ہوئے
کہ جب وہ مہتمم ہو گئے تو انھوں نے افتخار کو اپنی جگہ پر منصرم بنا دیا۔
جس عہدے پر وہ ابھی تک کامیابی سے کام کر رہے ہیں۔

●

ڈالی گنج میں قیام

نجم الدین قدوائی اور عبدالسلام ندوی ڈالیگنج کے
بہت بڑا بعد اسی کے پاس والے اوپر کے
کمرے میں آکر رہنے لگے اسی زمانے میں اور باقر حسین ان کے چچیرے
ایک صاحب کے مکان کے باہری کمرے میں رہتے تھے۔ میری منجھلی بہن
فاطمہ بجیا کا انتقال ہو چکا تھا ان کی لڑکی سلطانہ اپنی ماں کی بیماری
دق میں مبتلا ہو گئی وہ مجھے بہت چاہتی تھی۔ میں نے علاج کے لئے اسے
میڈیکل کالج کے ٹی بی وارڈ میں داخل کرایا اب اس کے ساتھ رہنے کا
مسئلہ پیدا ہوا۔ ہماری خوش دامن منی بجیا ہمیشہ دوسروں کے کام آتی
رہتی تھیں میں نے ان سے کہا اور وہ فوراً تیار ہو گئیں۔ وہ اسپتال میں
سلطانہ کی دیکھ بھال کے علاوہ دوسرے ایسے مریضوں کی بھی مدد کیا کرتی
تھیں جن کے ساتھ کوئی نہ ہوتا تھا اس وارڈ میں ایک عورت تھی جس کا نام لکشمی دیوی
تھا بالکل تنہا تھی اس کے گھر سے کوئی بھی اسے دیکھنے نہیں آتا تھا ہماری
منی بجیا اس کی بھی مدد کر دیا کرتی تھیں۔ جب میں اسپتال جاتا تو وہ مجھ سے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کہتیں اس عورت کا کوئی نہیں ہے اس کی مدد کر دیا کرو تو میں اس کے لئے بھی پھل وغیرہ لے جاتا اس طرح وہ ہم لوگوں سے کافی مانوس ہو گئی اور جب سلطانہ اسپتال سے جانے لگیں تو وہ رونے لگی اس کو بھی اسپتال سے چھٹی ملنے والی تھی منی بجیا بڑی متاثر ہوئیں اور مجھ سے کہا بھیا اس کے رہنے کا کوئی انتظام کر دو۔

میں سوچتا رہا اس کے بعد میں نے کہا کہ میں اپنے ساتھیوں سے پوچھ کر ہی کچھ کہہ سکتا ہوں میں ڈالی گنج آیا میں نے بھائی نجم الدین قدوائی سے پورا حال بتایا نجم الدین کی پوری زندگی دوسروں کی مدد میں گذری ہے ان کے کوئی بال بچہ نہیں ہے لیکن وہ دوسروں کے بچوں کو پڑھانے لکھانے اور انکو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کی فکر میں ان لوگوں سے زیادہ گھلتے رہے جن کے بال بچے ہوتے ہیں وہ فوراً تیار ہو گئے مولانا عبدالسلام قدوائی سے ہم لوگوں نے پوچھنا مناسب نہیں خیال کیا کیونکہ وہ مزاجاً کافی محتاط آدمی ہیں وہ لکشمی دیوی کو ساتھ رکھنے کے حق میں کبھی رائے نہ دیتے چنانچہ دوسرے دن لکشمی دیوی نجم الدین کے ڈالی گنج والے مکان میں آ گئیں مولانا عبدالسلام صاحب کو یہ بات ناگوار تو گذری ہو گی لیکن انھوں نے کوئی مخالفت نہیں کی۔

اس زمانے میں مولانا کی بیوی مولانا کے ساتھ اسی مکان میں رہتی تھیں۔ لکشمی دیوی بڑی نیک اور شریف طبیعت تھی وہ شاکاہاری تھی یعنی گوشت وغیرہ نہیں کھاتی تھی اس نے ہمیشہ کوشش کی کہ اس کا زیادہ بار ہم لوگوں پر نہ پڑے اس کی عمر تیس ۳۰ پینتیس ۳۵ کی ہو گی وہ تندرست اور اوسط صورت شکل کی تھی جب مولانا کی بیوی یہاں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

سے جانے لگیں تو نجم الدین نے لکشمی دیوی کو بھی اپنی بیوی کے پاس تحویلڈی ضلع رائے بریلی بھیج دیا۔ نجم الدین کی بیوی قابل تعریف ہیں کہ انھوں نے کسی قسم کا شک نہیں کیا بات یہ تھی کہ وہ اپنے شوہر کے مزاج اور کیریکٹر سے اچھی طرح واقف تھیں۔ ان کا برتاؤ لکشمی دیوی کے ساتھ بڑا اچھا رہا اور وہ وہاں کافی دن تک رہی وہ فتح گڑھ کی رہنے والی تھی کچھ دنوں بعد اسے وطن کی یاد ستانے لگی اور وہ فتح گڑھ چلی گئی اس کے بعد اس کی کوئی خیر خبر نہیں ملی۔

تھوڑے دن بعد میں بھی عبدالسلام قدوائی اور نجم الدین کے ساتھ رہنے لگا میں نے کھانا پکانے کے لئے ایک نوکر کرہی سے بلوا لیا جو ابھی لڑکا ہی تھا لیکن گوشت روٹی پکا لیتا تھا محمد حسن قدوائی اس وقت فرنگی محل کے پل کے پاس ایک پرانی عمارت میں حیات اللہ انصاری اور عشرت علی صدیقی کے ساتھ رہتے تھے میں محمد حسن سے ملنے وہاں جایا کرتا تھا اس وقت سے حیات اللہ صاحب اور عشرت صاحب سے معمولی جان پہچان ہو گئی وہاں رضا انصاری بھی آیا کرتے تھے اور سیاست پر گرما گرم بحث ہوا کرتی تھی۔ محمد حسن قدوائی ہمارے ڈالی گنج والے مکان میں آیا کرتے تھے۔ ایک دن ہم لوگ کھانا کھا چکے تھے کہ محمد حسن معلوم نہیں کہاں سے گھومتے گھامتے آ گئے وہ بھوکے تھے اور انھوں نے بے تکلفی سے کہہ دیا کہ ہم کھانا کھائیں گے نوکر کھڑا تھا میں اس کی طرف دیکھنے لگا اس نیک لڑکے نے کہا جی ہاں کھانا ہے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اور اس کے لئے جو کھانا رکھا تھا وہ لاکر رکھ دیا محمد حسن تو بھوکے تھے ہی وہ ایک دو تین، چپاتیاں صاف کر گئے تو وہ لڑکا مسکرانے لگا اس کے مسکرانے پر محمد حسن نے کہا اور کچھ ہے نوکر نے بچی کھچی ایک چپاتی اور لاکر رکھ دی محمد حسن اسے بھی کھا گئے پھر نوکر سے کہا بس ایک ہی چپاتی وہ بچارا گیا اور چاول بھی اٹھا لایا چاول تھوڑے ہی تھے محمد حسن وہ بھی چٹ کر گئے اب نوکر ہنسی نہ روک سکا اور باورچی خانے چلا گیا۔ میں نے نوکر کو بلاکر پانچ کا نوٹ دیا اور کہا جاؤ دکان پر جاکر کھانا کھالو مگر وہ اس کے لئے تیار نہ ہوا۔ محمد حسن نے اس سے نوٹ واپس لے کر مجھے دیدیئے اور خود نیچے جاکر دکان سے روٹیاں لے آئے سالن اور دال رکھی تھی نوکر نے کھانا کھا لیا۔ انھوں نے جاتے وقت نوکر کو انعام کے بطور پانچ روپئے دیئے اس کے بعد جب محمد حسن آتے تو وہ ہم سے پوچھ لیتا کیا بھیّا کھانا کھائیں گے؟

باقر حسنین ——— بھی ہمارے اس مکان میں آیا کرتے تھے ایک دن میں، نجم الدین اور باقر شام کے وقت بیلی گارد ٹہلنے گئے ہم لوگ سفید گاندھی ٹوپی اور شیروانیاں پہنے تھے اس وقت تحریک آزادی زوروں پر تھی اسی پر بات کرتے چلے جا رہے تھے کہ سامنے سے ایک گورا چٹا لمبے قد کا نوجوان سوٹ پہنے آتا دکھائی دیا جب وہ ہم لوگوں کے پاس سے گذرا تو اس نے مسکرا کر کہا معلوم ہوتا ہے آزادی مل گئی یہ سن کر ہم لوگ چونکے اور ہم لوگوں نے اس سے ہاتھ ملایا اور کہا آزادی ملی نہیں ملنے ہی والی ہے وہ پھر مسکرایا اور آگے بڑھ گیا اندھیرا

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ہو رہا تھا ہم لوگ جلد ہی بیلی گارد سے ٹہل کر واپس ہو گئے، لوہے والے پل کے پاس وہی نوجوان خراماں خراماں چلتا ہوا ملا پھر علیک سلیک ہوئی اور وہ ہمارے ساتھ ہمارے گھر تک چلا آیا ہم نے اخلاقاً چائے پلائی وہ زیادہ بات نہیں کرتا تھا اور کچھ پر اسرار معلوم ہوتا تھا باتوں میں اس نے یہ بھی بتایا کہ ڈاکٹر فریدی اس کو جانتے ہیں وہ چلا گیا لیکن ہم لوگوں کو اس کے بارے میں معلوم کرنے کی فکر ہوئی اور ہم لوگ ڈاکٹر فریدی صاحب کے یہاں گئے وہ بڑے اخلاق سے ملے اور آنے کی وجہ پوچھی ہم نے پوری بات بتائی وہ سن کر مسکرائے اور انھوں نے کہا یہ نوجوان لیح آباد کے اچھے گھرانے سے تعلق رکھتا ہے لیکن وہ بہک گیا ہے اس کا توازن دماغی صحیح نہیں ہے جب سے ہم لوگ چوکنا رہنے لگے ایک آدھ مرتبہ وہ ہمارے مکان کے پیچھے آیا اور سڑک پر سے ہم لوگوں کو پکارا لیکن ہم سن گھیٹے بیٹھے رہتے ہوئے نہیں اور وہ چلا گیا۔

بہت دنوں بعد ایک دن وہ اس حال میں آیا کہ کپڑے پھٹے تھے اور ہاتھ میں کیلے کا لمبا سا پتا لئے ہوئے تھا اس حالت میں اسے دیکھ کر ہم لوگوں کو بڑا دکھ ہوا لیکن ایسی صورت میں ہم اس کی کوئی مدد بھی نہیں کر سکتے تھے اس کے بعد وہ کئی مرتبہ امین آباد میں اونلی فولانہ (صرف چار آنے) کہہ کر بھیک مانگتا دکھائی دیا۔

ڈالی گنج میں ہمارا کئی جگہ رہنا ہوا۔ اس میں نالے کے پاس سلطان صاحب کا مکان بھی تھا جس کا نام سلطان دلا تھا سلطان صاحب بہت شریف آدمی تھے عام طور پر کرایہ دار اور مالک

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ہمسایوں میں اچھے تعلقات نہیں ہوتے لیکن ہم لوگ کے ان سے گھریلو قسم کے تعلقات ہو گئے اور آخر وقت تک رہے۔ سلطان صاحب کے یہاں اس سے پہلے میں ان کے لان کی طرف والے مکان میں کچھ دنوں تک کرایے پر رہا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ میری اہلیہ کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی وہ علاج کی غرض سے لکھنؤ آ گئیں اس لئے مجھے الگ کرایے کے مکان میں رہنے کی ضرورت محسوس ہوئی یہ مکان زیادہ بڑا نہیں تھا۔ لیکن ہماری ضرورت کے لئے کافی تھا کیونکہ اس وقت تک صرف عطیہ پیدا ہوئی تھی۔ میں اہلیہ اور ان کی والدہ منی بجیا اس مکان میں رہتے تھے اس مکان کے سامنے سلطان صاحب کے مکان کا لان تھا۔ اگر میرے یہاں جہاں زیادہ آ جاتے تھے تو سلطان صاحب اور ان کی اہلیہ ہمارے لئے ہر قسم کی سہولت فراہم کرتی تھیں ان کے لڑکے مجھ سے پڑھتے تھے اور لڑکیاں میری اہلیہ کو بالکل اپنی ماں کی طرح خیال کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ ہمارے ساتھی قاری راشد ہمارے یہاں آئے انھیں مکان معلوم نہیں تھا میں نے پتہ بتا دیا تھا وہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے جب سلطان صاحب کے لان میں پہونچے تو وہاں عطیہ کھیل رہی تھی اسے دیکھ کر انھوں نے کہا یقیناً یہی مکان مجیب کا مکان ہے کیونکہ یہ لڑکی بالکل مجیب سے ملتی ہے۔ ان کا خیال صحیح تھا۔ عطیہ بالکل مجھ پڑی ہے۔ اسے کوئی بھی دیکھے تو سمجھ جائے گا یہ میری لڑکی ہے۔

جب ہم لوگ سیتا پور روڈ پر اپنے نئے مکان میں آئے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

تو ایک دن ہمیں سلطان صاحب کے یہاں جانے کا خیال پیدا ہوا جہاں ہم اور ہماری اہلیہ کافی دنوں تک رہی تھیں۔ وہاں جا کر دیکھا تو اس لمبے عرصے میں بڑی تبدیلیاں ہو گئیں تھیں جو مکان سلطان والا کہلاتا تھا اس میں دوسرے لوگ آ گئے تھے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ مکان کے پچھلے حصے میں ان کی لڑکی رہتی ہے ہم گئے دروازے پر دستک دی جیسے ہی نام بتایا سلطان صاحب کی لڑکی نے فوراً اندر بلا لیا اور ایسی خوش ہوئیں جیسے بھولا بسرا عزیز مل گیا ہو۔ کافی خاطر مدارات کی تھوڑی دیر میں ان کے شوہر بھی آ گئے ان سے تعارف کرایا وہ بھی بڑی محبت سے ملے۔ اس زمانے کے تمام واقعات نظروں کے سامنے فلم کی ریل کی طرح آنے لگے۔

جس زمانے میں ہم لوگ سلطان والا میں رہتے تھے تو لان میں گلاب کے پھول لگے تھے اب نہ گلاب کے پھول تھے نہ لان تھا۔ پڑوس میں ایک دودھ والی تھی جو ہمارے یہاں دودھ دیا کرتی تھی وہ تھی تو کمسن لیکن بڑی طرحدار تھی آنکھوں نے اسے بہت تلاش کیا لیکن وہ نظر نہ آئی۔ محلے میں پرانی صورتوں میں کوئی صورت نظر نہ آئی اس محلے میں ہم کئی جگہوں پر رہے تھے۔ نیاز صاحب کے مکان کے ایک حصے میں باقر کے ساتھ، عبد السلام قدوائی اور نجم الدین کے ساتھ ڈپٹی صاحب کے مکان کے سامنے والے مکان میں نیاز صاحب کے مکان میں کوئی پنجابی صاحب نظر آئے۔ ڈپٹی صاحب والے مکان اور ہمارے مکان میں بھی کوئی شناسا نظر نہ آیا۔ سب

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

نئے لوگ آ گئے تھے۔ اب ہم وہاں اجنبیوں کی طرح کھڑے تھے۔
اس محلے میں سب سے پہلے ہم برف والی کوٹھی میں اس وقت رہتے تھے جب یہاں ندوہ کا عارضی ہوسٹل تھا۔ اس کے بعد سلطان صاحب کے یہاں اہلیہ کی بیماری کے سلسلے میں رہے پھر بھائی عبدالمجیب صاحب کی بیماری کے موقعہ پر سلطان صاحب کے مکان کے پچھلے حصے میں رہے اس کے بعد عبدالسلام قدوائی اور نجم الدین کے ساتھ نالے کے پاس کوٹھے پر رہے۔ اس محلے سے بہت سی پرانی یادیں وابستہ ہیں اب بھی جب ادھر جانا ہوتا ہے تو بلا ارادہ آنکھیں اس زمانے کے لوگوں کو تلاش کرنے لگتی ہیں لیکن ایک بھی پرانی صورت نظر نہیں آتی۔ مگر پھر بھی اس محلے سے ایک لگاؤ سا محسوس ہوتا ہے اور قدم رکنے سے لگتے ہیں۔

اسی جگہ جیلر صاحب کی کوٹھی تھی جس میں بھائی عبدالحسیب صاحب طالب علمی کے زمانے میں رہتے تھے وہاں معراج صاحب سے ان کے کافی تعلقات ہو گئے تھے معراج صاحب بعد کو متعدی امراض کے اسپتال میں ملازم ہو گئے۔ خوشی کی بات ہے کہ وہ ابھی حیات ہیں۔ ایک مرتبہ ڈالی گنج سے سیتا پور روڈ پر آتے ہوئے اتفاقاً وہ راستے میں مل گئے تھوڑے توقف کے بعد ہم دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا وہ بڑی محبت سے ملے ان سے مل کر بھائی عبدالحسیب صاحب مرحوم کی یاد تازہ ہو گئی اور دل کو ایک غم آمیز خوشی محسوس ہوئی میں سلطان صاحب کے مکان میں مولانا نورالحسن صاحب کے ساتھ جو مولانا عبدالسلام قدوائی کے ہم زلف تھے رہتا تھا۔ ان کے ساتھ ان کے سالے مشتاق احمد

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

عرف پتن بھی رہتے تھے چونکہ وہ اپنی بہن کو بجیا کہتے تھے اس لیے میں بھی نورالحسن صاحب کی بیوی کو بجیا کہنے لگا وہ بڑی نیک بیوی تھیں انھوں نے میرے ساتھ بالکل بہن کیسا برتاؤ کیا وہ کھانے پینے کا تو خیال رکھتی ہی تھیں میں جاڑوں میں بستر پر لحاف یونہی پڑا چھوڑ کر چلا جاتا تھا وہ بیچاری میرا بستر ٹھیک کر آتی تھیں میرے کپڑے دھوبی کو دیتی تھیں بیماری آزاری میں دوا علاج کی فکر بھی انہی کو کرنی پڑتی تھی نورالحسن صاحب اور ان کے گھر والوں سے میرے تعلقات آخر وقت تک رہے بجیا کے والد محفوظ صاحب جنھیں ہم لوگ محفوظ بھائی کہتے تھے مجھے اپنے لڑکے کی طرح مانتے تھے اسی طرح ان کے لڑکے مشتاق میرا بڑے بھائی کی طرح لحاظ کرتے رہتے میرے اب تک ان سے تعلقات ہیں وہ بجنور میں رہتے ہیں لڑکیوں کی شادی میں انھوں نے مجھے ہمیشہ بلایا اور میں ضرور شریک ہوا بجیا نورالحسن صاحب کی بیوی کے پیٹ کا آپریشن ہوا وہ میڈیکل کالج میں داخل تھیں زخم پک گیا تھا ان کی حالت نازک ہو گئی تھی میں اور میری بیوی کا جا سکے انھیں دیکھنے گئے ہم لوگ خاموش ان کے پاس بیٹھے تھے ان میں اب کچھ نہ رہ گیا تھا وہ بول بھی نہ سکتی تھیں۔ ہم لوگوں کے سامنے ہی انھوں نے آخری سانسیں لیں۔ انھیں یاد کر کے اب تک آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔

اتفاق دیکھیے کہ نورالحسن صاحب کے بھی پیٹ میں تکلیف ہوئی میڈیکل کالج میں داخل تھے میں ملنے گیا۔ تکلیف کے باوجود ان کے لبوں پر وہی مسکراہٹ تھی جو ہمیشہ رہتی تھی وہ بڑے نیک آدمی تھے دیوبند میں پڑھے تھے لیکن ان کے اندر خشکی بالکل نہیں تھی۔ انھیں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

بڑے اچھے اور درد بھرے اشعار یاد تھے جب جاتا تو وہ مجھے اشعار سناتے اور ہم دونوں لطف لیتے ان کا دل چوٹ کھایا معلوم ہوتا تھا وہ ملنسار، مخلص اور معصوم آدمی تھے پتے کے مرض میں ان کا بھی انتقال ہو گیا ان کا ہنستا ہوا چہرہ اب تک نظروں کے سامنے ہے۔

شادی

اس زمانے میں زمیندار گھرانے کے لڑکوں کی شادیاں بہت جلد ہو جاتی تھیں میں نے ابھی ہائی اسکول بھی نہیں پاس کیا تھا کہ میری شادی کی بات چیت ہونے لگی میرے دو بڑے بھائیوں کی شادیاں بہت پہلے ہو چکی تھیں تیسرے بڑے بھائی عبدالحسیب صاحب کی شادی علی گڑھ طبیہ کالج سے پاس کرنے کے بعد ہونے لگی میری شادی میری پھوپھی زاد بہن منی بجیا جو بیوہ ہونے کے بعد اپنے والد اور میرے پھوپھا عاشق حسین صاحب کے ساتھ موضع بسارہ میں رہنے لگی تھیں ان کی لڑکی اختر جہاں سے طے ہو چکی تھی چنانچہ ہم دونوں بھائیوں کی شادی ایک ساتھ انجام پا گئی۔

شادی کے بعد پہلی مرتبہ جب میں بسارہ گیا تو اتفاق دیکھئے کہ اسی دن ہائی اسکول کا رزلٹ نکلا تھا۔ اور بدقسمتی سے میں فیل ہو گیا تھا مجھے سسرال جانے کی خوشی کم اور فیل ہونے کی شرمندگی زیادہ تھی اللہ نظر بد سے بچائے میری تقریباً نصف درجن سالیاں وہاں اس وقت موجود تھیں میں جا تو رہا تھا لیکن بقول شاعر ؎

قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

بسارہ میری سسرال ہی نہیں بلکہ میرے پھوپھا کا گھر بھی تھا میری

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

حقیقی سالی کوئی نہیں تھی لیکن میری پھوپھی زاد بہنوں کی لڑکیاں کافی تھیں جو مجھے دولہا بھائی کہنے کے بجائے پرانے رشتے سے ماموں کہتی تھیں لیکن مذاق میں کوئی کوتاہی نہ کرتی تھیں آپ کی دعا سے میری سب سالیاں صورت شکل کی اچھی تھیں مگر میں بے تکلف صرف اپنی چھوٹی پھوپھی کی نواسی سے تھا جو لکھنؤ میں رہتی تھیں اور ماشاء اللہ سے اچھی خاصی پڑھی لکھی تھیں اور اردو ادب سے بھی انھیں دلچسپی تھی چنانچہ میں نے صرف انہی کو اپنی سالی بنایا تھا اور انہی سے مذاق ہنسی کرتا تھا بعد کو میں نے محسوس کیا کہ یہ بات میری دوسری سالیوں کو بری لگتی ہے تو میں نے رویہ بدل دیا اور ان سے بھی مذاق ہنسی کرنے لگا۔

مجھے اس کا افسوس تھا کہ اتنی سالیاں اور سالے ہونے کے باوجود مجھے کوئی دولہا بھائی کہنے والا نہیں تھا گاؤں کے نائی کا ایک لڑکا کام کاج کے لئے آیا اور اس نے مجھے دولہا بھائی کہا میں نے خوش ہو کر اسے گلے لگایا اور آٹھ آنے جیب سے نکال کر دیئے یہ دیکھ کر سب سالیاں دولہا بھائی دولہا بھائی کہنے لگیں اور پیسوں کے لئے میرے پیچھے پڑ گئیں ہماری ایک پھوپھی زاد بہن بڑی دلچسپ تھیں انھوں نے کہا تم لوگ آدھا درجن ہو تمہیں پیسے تو دے نہیں سکتا ہاں گلے لگا سکتا ہے ان کے کہنے پر عمل کرنے سے پہلے سب سالیاں بدک کر الگ کھڑی ہو گئیں اگر وہ گلے لگا لینے دیتیں تو شاید میں انھیں بھی پیسے دیدیتا۔

ہمارے پھوپھا کے گھر کے سامنے ایک بڑی سایہ دار پکریا تھی اسی کے پاس تالاب تھا گرمیوں میں گاؤں کے لوگ اسی پکریا کے نیچے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

آکر بیٹھتے تھے اور ٹھنڈی ہوا کھاتے تھے ان کے گھر کے پچھم میں دو تاڑ کے درخت تھے اب بھی ہیں یہ درخت میرے پھوپھا کے والد نے لگائے تھے جب میں انھیں دیکھتا ہوں تو وہ مجھے پرانی کہانی سناتے معلوم ہوتے ہیں۔ میرے پھوپھی زاد بھائی اظہر حسین صاحب تھے وہ اپنے والد کی طرح شاہ خرچ اور ملنسار تھے وہ بھی پھوپھا کی طرح جب لکھنؤ سے ٹکیت گنج جانے والی آخری بس گذر جاتی تھی۔ تب کھانا کھاتے اور آنے والے مہمان کا انتظار کیا کرتے تھے وہ مجھ سے دس سال بڑے ہونگے وہ ہمارے یہاں برابر جایا کرتے تھے۔ ہماری والدہ ان کو بہت چاہتی تھیں۔ ان کی شادی میلارائے گنج سے ہوئی تھی۔ اس سے پہلے ہماری پھوپھی زاد بہن جمیلہ بجیا کی شادی میلے کے اعجاز صاحب سے ہوئی تھی۔ اعجاز بھائی بڑے ملنسار آدمی تھے سسہالی بھی آیا کرتے تھے اسی سلسلے سے اظہر بھائی کی شادی میلا کے شیخ نجابت حسین صاحب کی لڑکی سے ہوئی تھی ہم لوگ یعنی میں میرے بھائی عبدالحسیب صاحب اور بہنوئی رئیس احمد خاں عرف اچھن میاں اظہر بھائی کے ساتھ چوتھی گئے اس زمانے میں مذاق کا بڑا رواج تھا خاص طور میلا رائے گنج میں۔ چنانچہ دسترخوان کوٹ کے کباب اور کاغذ کی پرت کے پراٹھے رکھے گئے، اسی طرح ہاتھ دھلانے کے لئے نائی جو پانی لایا وہ رنگین تھا۔ ہمارے بہنوئی اچھن بھائی ان سب مذاقوں سے واقف تھے جب نائی نے ہاتھ دھلانے کے لئے ان کے ہاتھ میں رنگین پانی ڈالا تو انھوں نے ہاتھ دھونے کے بجائے وہی پانی چلو میں لے کر اس کی سفید دوپلی ٹوپی پر ڈال دیا۔ دسترخوان پر بالائی جو رکھی گئی وہ بالائی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

نہیں بلکہ دودھ میں روئی کے گالے ڈال دیئے گئے تھے، پان نمکین، تھے اسی طرح الائچی کے اندر کالی سرسوں رکھ دی گئی تھی۔ ان سب سے ہمارے بہنوئی اچھن بھائی نے اپنے تجربے اور ہوشیاری کی بنا پر ہم لوگوں کو بچا لیا۔ نجابت پھوپھی کی مالی حالت بڑی اچھی تھی انھوں نے اپنی لڑکی کو جہیز میں ہر چیز دی تھی ہماری بھابھی کام کی تو زیادہ عادی نہیں تھیں۔ لیکن بڑی سوگھڑ اور سلیقے کی تھیں اور نوکرانیوں سے کام لینا خوب جانتی تھیں وہ ہم لوگوں سے بڑی محبت کرتی تھیں انھوں نے گھر کی روایات اور معیار زندگی کو برقرار رکھا۔ اب ان سب کا انتقال ہو چکا ہے اظہر بھائی کے بڑے لڑکے عزیزم شمعون بڑے سعادت مند ہیں وہ اپنے باپ دادا کی روایات ابھی تک برقرار رکھے ہیں خوش قسمتی سے ان کو رفیقہ حیات بھی بڑی سمجھدار با سلیقہ اور ملنسار ملی ہیں ہم لوگوں کو بہت مانتی ہیں اور بڑا خیال کرتی ہیں اسی وجہ سے پرانے تعلقات میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔

میری عمر اس وقت ۷۵ سال کی ہے خاندان میں اب بزرگوں میں کوئی نہیں۔ ہاں جو مجھے مجیب کہہ کر پکار سکے تحصیل فتحپور کے پاس محی الدین پور گاؤں میں میرے بہنوئی اقبال احمد خاں عرف چھٹن میاں تھے جو مجھے مجیب کہتے تھے جس سے مجھے بڑی خوشی ہوتی تھی لیکن ابھی دو سال ہوئے ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ سہالی یا بارہ جاتا ہوں تو مجھے وہاں تنہائی سی محسوس ہوتی ہے کیونکہ جن چہروں کو آنکھیں تلاش کرتی ہیں وہ دکھائی نہیں دیتے۔ سہالی میں منجھلے بھائی عبدالسلام صاحب کے لڑکے قیام الدین قدوائی کی وجہ سے ہمارے مکان بارہ دری

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

میں چراغ جل رہا ہے بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس کے دونوں لڑکے شہاب اور حیات بڑے مستعد اور محنتی ہیں وہ انٹر تک پڑھنے کے بعد نوکری کے چکر میں پڑنے کے بجائے تجارت میں لگ گئے اور لگن سے کام کرکے اچھی خاصی حیثیت بنالی جس کی وجہ سے بارہ دری کا بھرم ابھی تک باقی ہے۔

رات کے وقت جب میں اپنے گھر بارہ دری میں لیٹا ہوں تو میری آنکھوں کے سامنے فلم کی ریل کی طرح تمام واقعات گھومنے لگتے ہیں ہمارے جد امجد محمد روشن چکلہ دار کے وقت کے تین پھاٹکوں میں سے اب صرف بیچ کا پھاٹک باقی رہ گیا ہے رات کے دھندلکے میں اس کے کنگورے بیتے دنوں کی کہانی سنانے لگتے ہیں۔

ہمارے خاندان میں لوگوں کی عمریں زیادہ نہیں ہوئیں والد کا انتقال ۵۴ سال کی عمر میں ہوگیا بڑے بھائی عبدالعزیز اور بڑی بہن ہاجرہ کے علاوہ دو بہنوں فاطمہ، صغریٰ اور دو بھائیوں عبدالسلام و عبدالحسیب کا انتقال ۵۴ سال کے اندر ہی اندر ہوگیا بڑے بھائی کا انتقال ۷۲ برس اور بڑی بہن کا انتقال ۷۰ سال میں ہوا اس طرح میری عمر سوائے میری والدہ کے جن کی عمر ۸۰، ۸۳ سال ہوئی بھائی بہنوں میں سب سے زیادہ ہوئی خدا کا شکر ہے کہ میری رفیقۂ حیات اختر جہاں میرا ساتھ دے رہی ہیں۔ جن کی عمر اس وقت ۷۰ سال کی ہوگی جس سے تنہائی کا احساس کم ہوتا ہے ورنہ درازیٔ عمر باعث تکلیف ہو جاتی۔

۱۹۴۳ء میں میں نے لکھنؤ یونیورسٹی سے بی، اے آنرز، ایل ایل بی پاس کیا اس زمانے میں ڈبل کورس کی اجازت تھی ۱۹۴۲ء میں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

جب تحریک آزادی زور پر تھی یونیورسٹی بند ہو گئی لیکن میں گھر نہیں گیا بلکہ حیات اللہ صاحب، عشرت صاحب اور محمد حسن قدوائی کے ساتھ رہ کر کانگرس کی جانب سے خفیہ طور پر پمفلٹ شائع کرنے کے لئے رک گیا حیات اللہ صاحب اور عشرت صاحب کانگرس کا ہفت روزہ اخبار ہندستان نکال لیتے تھے اور رفیع صاحب کی سفارش پر قیصر باغ میں راجہ کالا کانکر کے حصے میں بارہ دری کے سامنے والے پھاٹک کے پاس رہتے تھے۔ میں بھی ان لوگوں کے ساتھ رہنے لگا وہاں وجاہت علی سندیلوی بھی آیا کرتے تھے اسی وقت سے میری ان کی جان پہچان ہوئی مزاج میں موافقت کی وجہ سے جان پہچان دوستی میں منتقل ہو گئی جو اب تک قائم ہے۔

خفیہ پولیس نے ہم لوگوں کی سرگرمیوں کا پتہ لگا لیا اور حکومت کی جانب سے راجہ کالا کانکر سے کہلایا گیا کہ انھوں نے اپنے یہاں خطرناک آدمیوں کو کیوں جگہ دے رکھی ہے وہ گھبرائے ہوئے ہم لوگوں کے پاس آگئے رفیع صاحب اور سب کانگریسی لیڈر جیل میں تھے راجہ صاحب نے ہم لوگوں سے کہا آپ لوگ میرے اوپر رحم کر کے یہاں سے ہٹ جائیے یہ آپ لوگوں کے لئے بھی بہتر ہو گا کیونکہ پولیس کی نظریں آپ لوگوں پر ہیں۔

اسی زمانے میں گاندھی جی کی چیلی امت اسلام صاحبہ بمبئی میں اسی قسم کا کام کر رہی تھی حیات اللہ صاحب، عشرت صاحب اور محمد حسن بمبئی جانے کے لئے تیار ہو گئے مجھ سے بھی چلنے کو کہا لیکن گھر والوں نے مجھے بمبئی جانے کی اجازت نہیں دی اور میں سہالی چلا گیا۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

میرے بڑے بھائیوں کی خواہش تھی کہ میں وکالت کروں چنانچہ ۱۹۴۳ء میں وکالت پاس کر لی مگر ایل ایل بی پاس کرنے کے بعد بھی میرا وکالت کرنے کا دل نہیں چاہا اور نوکری کی تلاش ہوئی ایک صاحب سکریٹریٹ میں اس شعبے میں تھے جو تقرر وغیرہ سے متعلق تھا یاد نہیں کہ ان سے کس کے ذریعہ ملاقات ہوئی بہرحال ان کی مدد سے وہاں کلرکی مل گئی لیکن اس کام میں بالکل دل نہیں لگتا تھا۔ انہی صاحب کے ذریعہ میں نے بھائی باقر حسین کو بھی سکریٹریٹ میں ملازمت دلوا دی وہ بھی اپنے کو کلرکی کے لئے فٹ نہیں سمجھتے تھے ہم دونوں وہاں کے کتب خانے چلے جاتے اور اخبار رسالے پڑھا کرتے کام دھام بہت کم کرتے کام بھی کیا تھا رجسٹر پر فائلوں کی آمد و رفت کو چڑھانا تھا اس زمانے میں جب مستقل کیا جانے لگتا تھا تو بانڈ بھروایا جاتا تھا ہمارے کرم فرما نے مجھے ایک دن بلا بھیجا اور یہ خوشخبری سنائی کہ میں مستقل کیا جا رہا ہوں کل آکر بانڈ بھر دوں اس خبر سے مجھے خوشی ہونے کے بجائے پریشانی ہوئی میں نے سوچا کہ اب زندگی بھر کلرکی قسمت میں لکھ جائے گی کیونکہ مستقل ہونے کے بعد ملازمت چھوڑنا مشکل ہوگا خود بھی دل نہیں چاہے گا اور دوسرے لوگ بھی ملامت کریں گے اس لئے میں دفتر جانے کے بجائے باہر جانے کے لئے ہال میں آیا اور وہاں کھڑا ہو کر اللہ سے دعا مانگی کہ مجھے اب کلرک کی حیثیت سے یہاں نہ آنا پڑے اور گھر چلا آیا دو ہفتے کی تنخواہ اب تک باقی ہے میرے چلے آنے کے بعد بھائی باقر بھی چلے آئے۔

شیخ اقبال علی صاحب ایڈوکیٹ لکھنؤ کے ساتھ چھ مہینے کی ٹریننگ کی اور تحصیل فتحپور میں جو سہالی سے قریب ہے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

پریکٹس شروع کر دی لیکن وکالت میں میرا دل نہ لگتا تھا حالانکہ وہاں کے سینیئر وکیل کھرے صاحب میری ہر طرح مدد کرتے تھے۔

جیل سے رہائی کے بعد رفیع صاحب نے نیشنل ہیرالڈ کے ساتھ ساتھ قومی آواز بھی نکالنے کا فیصلہ کیا۔ یہ کام حیات اللہ صاحب اور عشرت صاحب کے سپرد کیا گیا محمد حسن قدوائی بھی آ گئے حیات اللہ صاحب نے مجھے بھی خط لکھا اور قومی آواز میں کام کرنے کے لئے بلایا اندھا کیا چاہے دو آنکھیں میں تو کسی طرح وکالت کے کھٹ راگ سے جان چھڑانا ہی چاہتا تھا۔ میں گھر والوں کی رائے لئے بغیر قومی آواز میں کام کرنے چلا آیا جب گھر والوں کو معلوم ہوا تو میرے منجھلے بھائی عبدالسلام صاحب آئے اور انھوں نے واپس چلنے کو کہا میں نے کہا کہ میں ایک شرط سے پھر وکالت شروع کر سکتا ہوں کہ آپ تین سال تک میرے پورے اخراجات برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ میری شادی ہو چکی تھی اور دو لڑکیاں عطیہ اور ریحانہ پیدا ہو چکی تھیں۔ وہ بچارے اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ میری شرط پوری کرتے وہ گھر واپس گئے اس طرح میں وکالت کا تخت چھوڑ کر صحافت کی چکی چلانے کے لئے تیار ہو گیا۔

●

نعمت اللہ بلڈنگ

جب میں نعمت اللہ بلڈنگ میں رہتا تھا۔ تو میرے پڑوسیوں میں علیم صاحب کے علاوہ شبلی صاحب بھی تھے۔ وہ دیکھنے میں تو چھوٹے ہیں لیکن بڑی خوبیوں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کے حامل ہیں ہمدردی کا جذبہ ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ کوئی بیمار ہو تو سب سے پہلے شبلی صاحب اس کی عیادت کے لئے جائیں گے۔ اور صرف عیادت ہی نہیں کریں گے بلکہ جو بھی خدمت یا مدد کی ضرورت ہوگی کریں گے۔ ہیں تو وہ بندوق کی دکان کے مینیجر لیکن وہ زخمی کرنے کے بجائے ہمیشہ مرہم لگانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ ان کی اہلیہ سے ہماری بیوی کے بڑے تعلقات تھے بعد کو شبلی صاحب کے ساتھ لیک محمدی صاحب رہتے تھے بمبئی چلے گئے عرصے کے، بعد ان کی اہلیہ اپنی لڑکیوں کے ساتھ لکھنؤ آئیں تو وہ خاص طور سے ہمارے یہاں ملنے آئیں۔ ابھی کچھ دن ہوئے شبلی صاحب سے معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کے انتقال کے متعلق معلوم کرکے میری اہلیہ کو بڑا دکھ ہوا۔ وہ پردہ نہیں کرتی تھیں ان کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے ہے اللہ انھیں جوار رحمت میں جگہ دے۔

پڑوسیوں میں عبدالاحد خاں خلیل کے یہاں سے ہمارے گھر والوں کے بڑے تعلقات تھے میں بھی جایا کرتا تھا وہ اردو، فارسی ادب پر گہری نظر رکھتے تھے۔ وہ دیکھنے میں تندرست معلوم ہوتے تھے لیکن ان کی صحت ٹھیک نہیں تھی ان کے اکثر عزیز پاکستان میں تھے ان کا بڑا لڑکا اور لڑکیاں بھی پاکستان میں تھیں لیکن وہ پاکستان جانے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہوئے اور اپنے وطن ہی میں آخری سانس لی۔ ان کے لڑکے ضیا سے میرے لڑکے آصف کے کافی تعلقات تھے کچھ دنوں کے بعد ضیا اور ان کی والدہ بھی پاکستان چلی گئیں۔

ان کے علاوہ مولوی فہیم الدین مرحوم (بندوق والے) بھی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

نعمت اللہ بلڈنگ میں رہتے تھے ان کی پہلی بیوی سے میری اہلیہ کے بڑے تعلقات تھے وہ بڑی نیک بیوی تھیں ان کی صحت اچھی نہیں رہتی تھی ان کا انتقال ہوگیا۔ مولوی صاحب کی دوسری بیوی سے بھی ہمارے کافی تعلقات ہیں وہ بڑی ملنسار اور خوش اخلاق ہیں۔ مولوی صاحب کے انتقال کے بعد انھوں نے ان کے رشتے کے بھائی شرف الدین سے شادی کر لی۔

نعمت اللہ بلڈنگ میں مولانا ابرار فاروقی بھی رہتے تھے وہ کافی پڑھے لکھے آدمی تھے اٹاوہ کالج کے پرنسپل رہ چکے تھے عربی و فارسی اردو انگریزی چاروں زبانوں سے اچھی طرح واقف تھے کئی کتابیں بھی لکھی تھیں۔ مجھے بہت مانتے تھے اور اگر میں دو چار روز نہ جا پاتا تھا تو بلا بھیجتے تھے اور ادبی، سیاسی مختلف مسائل پر باتیں کیا کرتے تھے۔ ان کی لڑکی صفیہ کا ہمارے یہاں کافی آنا جانا تھا۔ اردو ادب سے اسے بھی بڑی دلچسپی تھی اس کے مراسلے قومی آواز میں مختلف مسائل پر شائع ہوا کرتے تھے مجھے بہت مانتی تھی وہ شادی کے بعد علی گڑھ چلی گئی

مولانا فاروقی کے بڑے لڑکے علی گڑھ میں پروفیسر ہیں۔ چھوٹے لڑکے محمد میاں لکھنؤ بوٹینکل گارڈن میں سائنٹسٹ ہیں بڑے خوش اخلاق اور ہنس مکھ ہیں میرا بڑا لحاظ کرتے ہیں۔

شمس صاحب کاکوری کے رہنے والے ہیں انوار بک ڈپو کے نام سے ان کی امین آباد میں کتابوں کی دکان ہے شاعری بھی کرتے ہیں ابھی حال ہی میں ان کی لڑکی سے میری سالی اچھی کے لڑکے شکیل اشرف کی شادی ہوئی ہے اس طرح ان سے ہماری

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

رشتے داری بھی ہو گئی ہے۔

منیر صاحب بمبئی کے رہنے والے تھے۔ علیم صاحب منیجر سے ان کی بڑی راہ درسم تھی مگر وہ زیادہ دن زندہ نہ رہے اور ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے صاحبزادے منا سے ہمارے لڑکوں یعنی آصف اور عارف سے بڑے تعلقات ہیں۔ منیر صاحب مرحوم کے دو لڑکے عرب ہی میں ہیں آصف اور صادق۔ طارق بڑا طنار لڑکا ہے جب آتا ہے تو ہم لوگوں سے ملنے ضرور آتا ہے۔

ہمارے پڑوسیوں میں علی رضا صاحب بھی ہیں یہ خاندانی رئیس ہیں۔ کافی پڑھے لکھے آدمی ہیں سیاست سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ ہمارا ان کا ساتھ ٹہلنے کے سلسلے میں ہوا کرتا تھا۔ امین آباد پارک میں ٹہلنے کے لئے عام طور پر علی رضا صاحب صباح الدین عمر صاحب اور میں نعمت اللہ بلڈنگ سے جاتے تھے اور رضوان صاحب جو لکھنؤ یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر ہیں مولوی گنج سے آیا کرتے تھے۔ وہ جب علی رضا صاحب کو دولہا بھائی کہہ کر مخاطب کرتے تھے تو علی رضا صاحب بڑے محظوظ ہوتے تھے۔ صباح الدین صاحب صبح دیر تک سونے کے عادی ہیں جب وہ دیر تک پارک میں نہ آتے تھے تو ہم لوگ انھیں جگانے کے لئے ان کے گھر جاتے تھے جب سے میں سیتاپور روڈ پر اپنے نئے مکان میں رہنے لگا۔

ٹہلنے والے ساتھیوں سے کم ملاقات ہوتی ہے صباح الدین عمر صاحب

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

سے کبھی کبھی دانش محل میں ملاقات ہو جاتی ہے۔ نعمت اللہ بلڈنگ کے پڑوسیوں میں اسد صاحب مرحوم بھی تھے ان کے لڑکے عزیزم خورشید میرا بڑا لحاظ کرتے ہیں۔ وہ کارپوریشن میں ملازم ہیں وہاں سے متعلق میرا جو کام ہوتا ہے ان کے ذریعہ آسانی سے ہو جاتا ہے۔ پڑوسیوں میں عزیزم مسعود بھی ہیں وہ قصبہ ندورا ضلع بارہ بنکی کے۔ رہنے والے ہیں ان سے میرے لڑکے آصف سے کافی تعلقات ہیں ان کی شادی اناؤ میں ہوئی ہے۔ انھوں نے وہاں اپنا مکان بھی بنوا لیا ہے۔ مگر ان کی والدہ اور ان کے چھوٹے بھائی زبیر نعمت اللہ بلڈنگ ہی میں رہ رہے ہیں۔ علیم صاحب کے ایک چھوٹے بھائی حلیم صاحب تھے ان کا مکان ہمارے مکان کے سامنے تھا ان کے بڑے صاحبزادے محسن اور چھوٹے محسن ہیں دونوں بڑے سعادت مند ہیں۔

علیم صاحب مرحوم کے صاحبزادے انور بڑے پُر مذاق اور دلچسپ آدمی ہیں میں ان کو اپنا ولی عہد کہتا ہوں کیوں کہ وہ میرے لڑکے کی حیثیت رکھتے ہیں اور میرے دونوں لڑکوں آصف اور عارف سے بڑے ہیں۔ ہمارے ان کے یہاں سے عزیزوں جیسے تعلقات ہیں بات یہ ہے کہ چالیس سال ہمارا اور ان کے والد علیم صاحب کا تعلق رہا ہمارے گھر کا دروازہ ان کے گھر کے سامنے ہے ہر وقت آنا جانا رہتا تھا۔ سیتاپور روڈ پر چلے آنے کے بعد بھی جب امین آباد جانا ہوتا ہے ہم لوگ ان کے یہاں ضرور جاتے ہیں۔ وہ ہماری بڑی خاطر مدارات کرتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

نعمت اللہ بلڈنگ کے مالک نعمت اللہ صاحب کی لڑکی حمیدہ باجی اور ان کی لڑکی شمیم سے بھی ہمارے گھریلو تعلقات ہیں ابھی حال ہی میں شمیم اور ان کی لڑکی نکہت سیتاپور روڈ پر ہمارے یہاں آئی تھیں۔ نصف صدی کے قریب نعمت اللہ بلڈنگ میں رہنے کی وجہ سے وہاں کے ذرے ذرے سے ہم لوگوں کو محبت ہے ہماری لڑکی ریحانہ تو اگر ایک ہفتہ وہاں نہ جائے تو وہ پریشان ہونے لگتی ہے۔

ہمارے مکان کے بغل میں ہاشمی صاحب مرحوم کا مکان ہے ان سے اور ان کے ایک عزیز شکیل صاحب سے ہمارے قریبی تعلقات تھے شکیل صاحب کا جوانی ہی میں انتقال ہو گیا وہ لکھنؤ یونیورسٹی میں فارسی پڑھاتے تھے بڑے نیک اور سیدھے آدمی تھے ان کے مرنے کا ہمیں بڑا افسوس ہوا وہ سندیلہ کے رہنے والے تھے۔ ہم لوگ ان کی لاش کے ساتھ جب سندیلہ گئے تو وہاں ان کی جوانا مرگی پر کہرام مچا ہوا تھا۔

ہمارے مکان کے سامنے کوٹھے پر ڈاکٹر عثمانی رہتے تھے انھوں نے غالباً فارسی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لکھنؤ یونیورسٹی سے لی تھی ان کے لڑکے رفیع سے اور ہمارے لڑکے آصف سے بڑے تعلقات تھے اب انھوں نے اندرا نگر میں مکان بنوالیا ہے اور وہیں منتقل ہو گئے ہیں رفیع ہمارے یہاں آتے رہتے ہیں اس موقعہ پر مٹھائی لال کی اماں کا ذکر نہ کرنا بڑا ظلم ہوگا۔ مٹھائی لال کی ماں ہمارے گھر کے سامنے رہتی تھی۔ بچاری بڑی نیک۔ اور ملنسار عورت ہے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

جب کوئی ضرورت ہوتی ہم لوگ مٹھائی لال کی ماں کو پکار لیتے اور وہ اپنا کام چھوڑ کر ہمارے یہاں چلی آتی۔ وہ جس کوٹھری میں رہتی تھی اس کا مالک اسے خالی کرانا چاہتا تھا پہلے تو مقدمے وغیرہ کی دھمکی دی لیکن محلے والوں نے کہا کہ دھمکی سے کام نہیں چلے گا۔ تو اس نے کوٹھریاں خالی کرنے کے لئے پانچ پانچ ہزار روپئے دیئے مٹھائی لال کی ماں میں مقدمہ بازی کی سکت نہیں تھی انھوں نے اسے غنیمت سمجھا اور روپئے لے کر کوٹھری خالی کر دی مگر پانچ ہزار میں مکان کہاں مل سکتا تھا بچاری بے گھر ہو کر سڑک پر آ گئیں اور ہمارے یہاں آ کر کہا کہ ہمارے رہنے کا کوئی انتظام کرا دیجئے ہم بال بچوں کے ساتھ سڑک پر کیسے رہ پائیں گے۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ ابھی کچھ ہی دن ہوئے لڑکے کی شادی ہوئی ہے نئی نویلی دلہن سڑک پر کیسے رہ پائے گی۔ ہماری لڑکی ریحانہ کے نام راجہ جی پورم میں ایک کمرے والا مکان الاٹ ہو گیا تھا۔ ہم نے کہا کہ اگر تم وہاں رہنا چاہو تو ہم وہ تم کو دیدیں۔ ہمارا اس مکان کے الاٹ کرانے میں جو صرف ہوا تھا اس نے ہماری لڑکی کو دیدیا اور اس مکان میں چلی گئی جب امین آباد آتی تو ہمارے یہاں ضرور آتی دیوالی میں چوڑے، لائے اور کھوے لانا نہ بھولتی اسی طرح ہولی کے موقعہ پر پوری کچوری وغیرہ لے کر آتی۔

جب ہم لوگ سیتاپور روڈ پر منتقل ہو گئے تو یہاں بھی برابر آتی رہتی ہے اور خالی ہاتھ کبھی نہیں آتی۔ ہمارے مکان کے بالکل سامنے جوتے والی گلی میں ادریس گوشت والے کی دکان ہے۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اس کا ہمارا ساتھ چالیس سال سے ہے جب وہ جوان تھا تو اس کی صحت بڑی اچھی تھی وہ گوشت بیچنے کے بعد بڑے اچھے لحن میں گاتا تھا۔ مگر بعد کو اس کی صحت خراب ہو گئی اور بڑھاپا بھی آگیا وہ بڑا نیک آدمی ہے۔ ہم لوگ اتنی دور چلے آئے ہیں لیکن شادی بیاہ کے موقعہ پر ادریس ہی ہمارے یہاں گوشت فراہم کرتے ہیں۔

قومی آواز

ہم لوگ یعنی حیات اللہ صاحب عشرت صاحب محمد حسن قدوائی، مسیح الحسن رضوی اور میں قومی آواز نکلنے سے ایک ہفتہ پہلے آگئے تھے اور اس کی تیاری کے لئے قیصر باغ میں نیشنل ہیرلڈ جس عمارت میں تھا اس کے پچھلے حصے میں ایک شیڈ میں بیٹھ کر کام کرنے لگے تحریک کے زمانے میں حکومت نے اس عمارت پر قبضہ کر لیا تھا اور کوئی دفتر قائم کر دیا تھا اس لئے شیڈ کے نیچے سے ہم لوگوں نے قومی آواز کا پہلا پرچہ نکالا۔ حیات اللہ صاحب نے بڑے سلیقے سے اخبار کا ایسا صاف ستھرا گٹ اپ تیار کیا تھا کہ اس وقت تک اس قسم کا کوئی اردو روزنامہ نہیں نکلا تھا بعد کو اس کی پیروی دوسرے اخبارات نے بھی کی۔ ہم لوگوں نے جب کام شروع کیا تو تنخواہ کے بارے میں کوئی بات نہیں پوچھی برطانی حکومت نے صوبائی آزادی دیدی تھی مکمل آزادی کے لئے جدو جہد ہو رہی تھی ہر شخص آزادی کے لئے ہر قسم کے ایثار کے لئے تیار تھا۔ رفتہ رفتہ حالات

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ٹھیک ہوتے گئے عمارت خالی ہو گئی اور نیشنل ہیرلڈ اور قومی آواز کا دفتر عمارت کے اندر آ گیا۔ قومی آواز کا دفتر کودھڑے پر زینے کے پاس تھا۔ اس کے بعد منیجر اور اس سے متعلق عملے کے بیٹھنے کے لئے کمرے تھے نیشنل ہیرلڈ کا دفتر پیچھے تھا اس وقت تک نوجیون نہیں نکلا تھا۔

ایڈیٹوریل اور مزاحیہ کالم گلوریاں حیات اللہ صاحب لکھتے تھے باقی کام ہم لوگ مل جل کر کرتے تھے عشرت صاحب حیات اللہ صاحب کی عدم موجودگی میں ایڈیٹوریل لکھتے اور گلوریاں لکھنے کا کام میرے سپرد کر دیتے تھے۔ حیات اللہ صاحب کی پرورش لکھنؤ میں ہوئی تھی لکھنوی تہذیب کی نفاست اور روایات سے وہ اچھی طرح واقف تھے اسی لئے انھوں نے مزاحیہ کالم کا عنوان گلوریاں رکھا تھا وہ گلوریاں اپنے پڑھنے والوں کے سامنے پان کی دکان سے نہیں پیش کرنا چاہتے تھے بلکہ بھابھی کے ہاتھوں تیار کی گئی گلوریاں کھلانا چاہتے تھے اسی لئے شروع میں گلوریاں از بھابھی لکھا جاتا تھا مگر انکے اس ذوق سلیم کی تعریف کرنے کے بجائے مسلم لیگ کی جانب سے نکلنے والے اخبار تنویر نے بھابھی پر چوٹیں کسنی شروع کر دیں جس کے بعد طے ہوا کہ بھابھی کے بجائے از میزبان لکھا جایا کرے حالانکہ جو بات بھابھی میں تھی وہ میزبان میں نہیں ہو سکتی۔

خبروں کی فراہمی، ان کی ترتیب، مناسب سرخیوں، اچھی طباعت اور سنجیدہ لب و لہجے کی وجہ سے قومی آواز کی اشاعت اچھی خاصی ہو گئی۔ اس وقت پروف ریڈنگ بھی ہم ہی لوگ کرتے تھے لیکن

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کام بڑھ جانے کی وجہ سے پروف ریڈنگ کے لئے الگ انتظام کیا گیا اور جہاں تک یاد پڑتا ہے نصیر ناطقی پہلے پروف ریڈر تھے۔ کاتبوں میں بڈھن صاحب مجاہد صاحب اور قوالو صاحب سب سے پہلے آئے ایڈیٹروں میں بھی اضافہ ہوا۔ مصطفےٰ صاحب اور نصیر صاحب کا تقرر ہوا۔ یہ دونوں پرانے لکھنؤ کے رہنے والے تھے لکھنوی تہذیب اور زبان سے اچھی طرح واقف تھے بڑے خوش اخلاق اور ملنسار تھے مصطفےٰ صاحب بہت تیزی سے ترجمہ کرتے تھے اور خبروں کا ڈھیر لگا دیتے تھے نصیر صاحب بعد کو پاکستان چلے گئے ان کے علاوہ اور کچھ لوگ آئے دھیرے دھیرے تقسیم کار میں باقاعدگی آنے لگی حیات اللہ صاحب چیف ایڈیٹر عشرت صاحب اسسٹنٹ ایڈیٹر، محمد حسن قدوائی رشیع الحسن رضوی اور میں چیف سب اڈیٹر مقرر ہوئے اور باقی لوگ سب اڈیٹر اس کے بعد کلیم صاحب بھی آگئے یہ اس سے پہلے اخبارات میں کام کر چکے تھے اس لئے انھیں بھی چیف سب اڈیٹر کا گریڈ دیا گیا کلیم صاحب خاموش لیکن دلچسپ آدمی تھے بڑی محنت اور سلیقے سے کام کرتے تھے وہ نگرام کے رہنے والے تھے انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں ان کی بڑی اچھی استعداد تھی ان کے بعد منظر سلیم کا اضافہ ہوا انھیں رپورٹنگ کا کام سپرد کیا گیا ان سے پہلے اسمبلی کی کارروائی کی رپورٹنگ کے لئے مجھے بھیج دیا جاتا تھا منظر صاحب لکھنؤ کے ادبی اور سیاسی حلقوں سے پہلے ہی سے واقف تھے انھوں نے رپورٹنگ کا کام بڑے سلیقے اور

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

محنت سے کیا یہ دن میں خبروں کی تلاش میں رہتے اور رات کو کافی دیر تک رپورٹ تیار کرتے۔

اس درمیان کسی دفد میں شامل ہو کر حیات اللہ صاحب کو مصر جانا پڑا۔ ان کی عدم موجودگی میں مجھے برابر گلوریاں لکھنی پڑیں۔ عشقی صاحب نے میری بڑی ہمت افزائی کی اور مجھ سے اصرار کیا کہ میں مزاحیہ مضامین لکھا کروں مصر سے واپسی کے بعد حیات اللہ صاحب نے مجھ سے کہا آپ گلوریاں لکھنا ترک نہ کیجئے اس طرح کسی دن حیات اللہ صاحب مینر بالنا کے نام سے اور کسی دن مسہالوی کے نام سے گلوریاں لکھتا رہا۔

محمد حسن ہمیشہ سے لیٹ لطیف رہے ہیں وہ عام طور پر دیر میں آتے مگر جس وقت سے کام میں جٹتے تو سوائے بیڑی پینے کے اور کسی چیز کی خبر نہ رہتی تھی کہ کسی کسی دن وہ کھانا کھانا بھی بھول جاتے، میرا، محمد حسن اور مسیح کا دو پہر کا کھانا گھر سے آتا تھا اور ہم لوگ ساتھ کھانا کھاتے تھے محمد حسن حسب معمول کام میں جٹے ہوئے تھے اور سر نہیں اٹھا رہے تھے کھانے کا وقت آگیا تھا ہم لوگوں کو شرارت سوجھی اور ہم لوگ اٹھ کر کھانا کھانے چلے گئے اور اپنا کھانا کھانے کے علاوہ محمد حسن کا کھانا بھی کھا لیا اس کے بعد میز پر محمد حسن کے ناشتے دان کے ڈبے اس طرح کھول کر رکھ دیئے جس طرح وہ کھانا کھانے کے بعد کھو دیا کرتے تھے اور پھر کام کرنے لگے کافی دیر کے بعد تقریباً تین بجے محمد حسن کو کھانا کھانے کا خیال آیا اور وہ اٹھ کر میز کے پاس گئے لیکن جب انھوں نے ناشتے دان کے خالی ڈبے اس طرح رکھے دیکھے جیسے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

وہ کھانے کے بعد ڈال دیتے تھے تو وہ سمجھے کہ کھانا کھا چکے ہیں اور پھر کرسی پر بیٹھ کر کام کرنے اور بیڑی پینے لگے یہ بتا دوں کہ وہ بیڑی کفایت کے خیال سے نہیں پیتے تھے بلکہ وہ بیڑی کے اتنے عادی ہو گئے تھے کہ انھیں سگریٹ اچھا ہی نہ لگتا تھا اسی بیڑی نوشی کی وجہ سے ان کے پھیپھڑوں پر اثر ہو گیا تھا اور کبھی کبھی انھیں حرارت بھی ہو جاتی تھی محمد حسن بیچارے بھوکے بیٹھے کام کرتے رہے اور ہم لوگ مسکراتے رہے لیکن ہم لوگوں کو ان کی حالت پر رحم آگیا اور ہم نے ڈبل روٹی، مکھن اور چائے منگوا کر انھیں پیش کی انھیں ہم لوگوں کی اس تواضع پر کچھ تعجب سا ہوا وہ بولے بھائی یہ خاطر کس خوشی میں کی جا رہی ہے اب ہم لوگ ہنسی نہ روک سکے اور زور سے ہنسنے لگے اور کہا بھائی یہ خاطر اس لئے ہو رہی ہے کہ تمہارا کھانا تم نے نہیں ہم لوگوں نے کھایا ہے تب انھوں نے کہا میں یہی سوچ رہا تھا کہ کھانا کھانے کے باوجود بھوک کیوں لگ رہی ہے مگر بات کچھ سمجھ میں نہیں آرہی تھی کیونکہ میز پر برتن اسی طرح رکھے تھے جیسے میں کھانا کھانے کے بعد چھوڑ کر چلا آتا تھا۔

بھائی محمد حسن عام طور پر غصے میں رہتے تھے یہ سینما کی فلموں پر مضراب کے نام سے تبصرہ لکھتے تھے جو بھی پکچر آتی تھی اسے یہ دیکھنے جاتے تھے اور اس پر بے لاگ تبصرہ لکھتے تھے کوئی کھیل آیا نام نہیں یاد ہے یہ اسے دیکھنے گئے بہت پسند کیا اور اس پر بے لاگ اچھا تبصرہ لکھا۔ ان کے تعریف کرنے کا مطلب تھا کہ وہ کھیل واقعی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

بہت اچھا ہوگا۔ ہم لوگوں نے کہا کہ ہم یہ کھیل دیکھنا چاہتے ہیں تم ہم لوگوں کے ساتھ چلو تاکہ تمہاری وجہ سے ٹکٹ ملنے میں آسانی ہو۔ بات طے ہوگئی ہم لوگ ٹھیک وقت پر حضرت گنج میں سینما ہال کے سامنے پہنچ گئے اور محمد حسن کا انتظار کرنے لگے۔ کھیل شروع ہوگیا لیکن وہ نہیں آئے ہم لوگ بہت جز بز ہو رہے تھے کہ دیکھا محمد حسن رکشے پر بیٹھے چلے آ رہے ہیں اور آتے ہی کہا کیا کہوں کچھ خیال ہی نہیں رہا کہ تم لوگوں سے آنے کا وعدہ کیا ہے گاؤں سے ایک آدمی آگیا تھا اسی سے باتیں کرتا رہا جب وہ چلا گیا تو اچانک خیال آیا اور بھاگا۔

محمد حسن مرحوم کے اتنے قصے ہیں کہ اگر لکھے جائیں تو الگ ایک کتاب ہو جائے ہمارا ان کا ساتھ جبلی کالج سے لے کر قومی آواز تک رہا ان کی شادی ہماری طرف تحصیل فتحپور میں قیام میاں کے گھرانے میں ہوئی تھی ان کی بیوی رشتے کی ہماری بھتیجی ہوتی تھیں اس طرح ہمارے ان کے تعلقات اور گہرے ہوگئے تھے برابر ہم لوگ ایک دوسرے کے یہاں آیا جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ہم ان کے یہاں گئے یہ باہر والے کمرے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے اس کا دروازہ اندر والے کمرے میں کھلتا تھا وہاں ان کی بیوی بیٹھی تھیں یہ مزے میں چائے کیتلی سے انڈیل انڈیل کر پیتے رہے اور باتیں کرتے رہے مجھ سے چائے کے لئے نہیں پوچھا ان کی بیوی دیکھ رہی تھیں وہ بولیں کیا سب چائے آپ ہی پی جائے گا مجیب چچا سے نہ پوچھئے گا تب یہ چونکے اور مجھے چائے دی۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ایک مرتبہ طے ہوا کہ ہم دونوں صبح نو بجے کی گاڑی سے محب اللہ پور چلیں گے اور وہاں سے ڈگریا گاؤں جائیں گے جہاں میرے ایک دوست عتیق غوری رہتے ہیں ان کے امرود کے باغات ہیں اور اچھے قسم کے امرود ہیں۔ محمد حسن جگور میں امرود کے باغ لگوانا چاہتے تھے عتیق صاحب کے یہاں سے امرود کے پودے لانے تھے میں آٹھ بجے ان کے یہاں پہونچ گیا گرمیوں کا موسم تھا یہ چادر تانے سو رہے تھے میں نے ان کی بیوی انیس سے کہا ارے یہ تو ابھی سو ہی رہے ہیں ہم لوگوں کو نو بجے کی گاڑی پکڑنی ہے وہ مسکرائیں اور کہا جانے دیجئے اب دوپہر کی گاڑی سے جائے گا میں نے کہا نہیں بھائی اور یہ کہہ کر محمد حسن کی چادر گھسیٹی یہ مجھ کو دیکھ کر گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور جلدی سے منہ دھونے لگے کوئی یقین نہ کرے گا یہ پھر غسل میں آ گئے اور انھوں نے جو کلیاں کرنی شروع کیں تو بلا مبالغہ بیسیوں کلیاں کر ڈالیں اور یہ سلسلہ بدستور جاری رہا میں نے کہا کیا کلیاں ہی کرتے رہوگے منہ نہیں دھوگے۔ اللہ اللہ کر کے جب یہ منہ دھو چکے تو بالوں میں کنگھا کرنے لگے اور کرتے ہی چلے گئے تب میں نے جھنجھلا کر کہا اچھا میں چلا تم کنگھا کر کے آنا غرض جب ہم لوگ سٹی اسٹیشن پہونچے تو بس

گاڑی نکل چکی تھی پٹری چمک رہی تھی

تب انھوں نے رکشا کیا اور ہم لوگ رکشے سے محب اللہ پور گئے۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

محمد حسن صحت کی خرابی کے باوجود قومی آواز کی نوکری کے علاوہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی کام کرنے کی کوشش کرتے رہے وہ شروع شروع میں مچھلی محال میں رہتے تھے وہاں انھیں مچھلی کی تجارت کا خیال پیدا ہوا۔ ان میں یہ خوبی یا خرابی تھی کہ وہ جو سوچ لیتے تھے وہ کر ہی کے دم لیتے تھے کسی کے سمجھانے کا ان پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا چنانچہ انھوں نے مچھلی کا کاروبار شروع کر دیا یہ ٹھیک سے یاد نہیں کہ انھوں نے یہ کاروبار تنہا کیا یا اس میں کسی کو شریک کیا بہرحال یہ کاروبار وہ زیادہ دنوں تک نہ چلا سکے اور اسے ختم کر دیا۔ جگور میں جہاں کے یہ رہنے والے تھے خاتمہ زمینداری کے بعد بھی ان کی اچھی خاصی آراضی بچ گئی تھی جس پر انھیں کاشت کا خیال پیدا ہوا۔ یہ خیال کوئی غلط خیال نہیں تھا اس لئے شکمی زمین دینے میں خطرہ تھا کہ کہیں نکل نہ جائے جیسا کہ بعد کو آدھواسی قانون بن جانے سے شکمی کاشتکار اصلی قرار دیئے گئے اور اصلی کاشتکار کو معمولی معاوضہ دے کر آراضی سے محروم کر دیا گیا۔ چنانچہ انھوں نے اپنی آراضی کے پاس سینچائی کے لئے ٹیوب ویل لگوایا اور ایک کمرہ بنوایا اور کاشت شروع کر دی اس کا انھیں تھوڑا بہت تجربہ بھی تھا اس میں انھیں کوئی نقصان تو نہیں ہوا لیکن ٹیوب ویل کی مشین کی بار بار خرابی ان کے لئے درد سر رہی دوسرے صحت کی خرابی کی بنا پر وہ اس کے لئے زیادہ وقت نہیں دے پائے اور کام نوکروں کے سہارے رہا جس کی وجہ سے اس میں پیسہ زیادہ اور فائدہ کم ہوا آخر میں ٹیوب ویل بند کرنا پڑا۔

وہ نچلے بیٹھنے والے نہیں تھے اس کے بعد آم اور امرود کے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

باغ لگانے کی اسکیم ان کے ذہن میں آئی اور وہ یہ کام انجام دینے کے لئے جٹ گئے۔ خیر امرود کے باغ تو سرسبز نہ ہوسکے لیکن آم کے باغ ایک حد تک منافعہ بخش ثابت ہوئے جو اب بھی ان کی اہلیہ اینیس کی نگرانی میں فصل دے رہے ہیں

محمد حسن نے اپنے دوست گوکل چند رستوگی کی شرکت میں دیوا کی جھیل کے پاس آراضی پر فارمنگ کی تھی لیکن بعد کو وہ رستوگی صاحب کے سپرد کردی۔ رستوگی صاحب کا ہمارا ساتھ جبلی کالج سے ہوا۔ بھائی رستوگی اردو کے لئے ہوئے تھے۔ انھیں اردو سے بڑی دلچسپی تھی پرانے لکھنؤ کے رہنے والے تھے اس لئے بڑی شستہ زبان بولتے ان کا مکان رکاب گنج کے پاس تھا ہم اور محمد حسن ان کے یہاں جایا کرتے محمد حسن تو قریب قریب روزانہ ان کے یہاں جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ رستوگی، محمد حسن کے یہاں آئے جب جانے لگے تو محمد حسن انھیں رخصت کرنے کے لئے ان کے ساتھ چلے اس درمیان کسی سیاسی مسئلہ پر بحث ہونے لگی اور وہ بحث کرتے ہوئے رکاب گنج کے پل تک پہونچ گئے۔

محمد حسن ہر وقت کچھ سوچا کرتے تھے غم روزگار کے ساتھ ساتھ انھیں غم عشق بھی تھا اسی لئے وہ کھوئے ہوئے رہتے تھے ایک مرتبہ کسی کام سے انھیں بارہ بنکی جانا تھا یہ ناشتہ کرنے کے بعد اخبار پڑھنے لگے ان کی بیوی اینیس نے ان سے کہا آپ تو بارہ بنکی جانے والے تھے اور آپ بیٹھے اخبار پڑھ رہے ہیں اس پر وہ چونکے بیڑی جلائی اور اخبار ہاتھ میں لے کر قیصر باغ بس اسٹینڈ کی طرف روانہ ہوگئے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ٹکٹ لے کر آئے تو جو سامنے بس کھڑی تھی اس پہ بیٹھ گئے اس وقت بس پر بہت کم مسافر تھے یہ اطمینان سے اخبار پڑھنے لگے اب مسافر آنے لگے اور بس مسافروں سے قریب قریب بھر گئی ان کے پاس بیٹھے ہوئے مسافر باتیں کرنے لگے کہ ہم لوگ بارہ بجے تک سیتاپور پہونچ جائیں گے۔ یہ سن کر محمد حسن نے ان مسافروں سے کہا ارے آپ اتر لیجیے یہ بس بارہ بنکی جا رہی ہے۔ اس کے بعد پھر اخبار پڑھنے لگے۔ مسافر ان کی یہ بات سن کر مسکرائے اور خاموش رہے کیونکہ وہ بس بارہ بنکی نہیں بلکہ سیتاپور جا رہی تھی اور محمد حسن بے خیالی میں اس پر آکر بیٹھ گئے تھے۔ مسافر آتے گئے بس پر بیٹھنے کی جگہ نہ رہی لیکن بس روانہ نہ ہوئی یہاں تک مسافروں کے کھڑے ہونے کی بھی گنجائش نہ رہی اور مسافر عورتوں کے گود میں بچے گھٹن سے چیخنے لگے تب مسافروں نے چیخ پکار مچائی اور بس روانہ ہوئی جو مسافر محمد حسن کے پاس بیٹھے تھے وہ انھیں دیکھ کر مسکراتے رہے لیکن محمد حسن پوری محویت سے اخبار پڑھتے رہے۔ جب بس ڈالی گنج کے پل پر پہونچی تو ان مسافروں کو محمد حسن پر رحم آیا اور انھوں نے کنڈکٹر سے کہا کہ بس رکواؤ آپ بارہ بنکی جانے والے تھے غلطی سے سیتاپور والی بس پر بیٹھ گئے۔ جب بس کنڈکٹر نے محمد حسن سے کہا آپ اتریے یہ بس سیتاپور جا رہی ہے تب محمد حسن چونکے اور دیکھا کہ بس ڈالی گنج پل پر ہے تو جلدی سے بس سے اتر پڑے اور وہاں سے رکشا کر کے قیصر باغ واپس آئے۔

ایک مرتبہ وہ نخاس سے امین آباد آ رہے تھے وہ مولوی گنج کے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ایک ہوٹل میں چائے پیا کرتے تھے اس لئے وہ وہیں اتر پڑے اور ہوٹل میں چائے پینے کے لئے بیٹھ گئے وہ بڑے اطمینان سے چائے پیتے اور حسب عادت کوئی اسکیم سوچتے رہے اس کے بعد وہ ہوٹل سے امین آباد کی طرف مڑنے کے بجائے نخاس کی طرف مڑ گئے۔ جب وہ رکاب گنج کے پل پر پہونچے تو دل میں کہا کہ امین آباد کے راستے میں یہ پل کیسا ؟ اس کے بعد اپنے غلطی پر انھیں خود ہنسی آگئی اور امین آباد کی طرف مڑ گئے۔

میرا تجربہ ہے کہ اگر کسی طالب علم کو کسی مضمون سے دلچسپی نہ ہو اور اس کے سرپرست صرف اس خیال سے کہ ہمارا لڑکا یا نہ بنر ایک مخصوص لائن میں جائے اس مضمون کے پڑھنے پر لڑکے کے رجحان کا لحاظ کئے بغیر اصرار کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔ مثلاً سرپرست چاہتا ہے کہ اس کا لڑکا سائنس پڑھ کر ڈاکٹری یا انجینیرنگ میں جائے۔ مگر لڑکے کو سائنس یا میتھمیٹک سے لگاؤ نہیں ہے تو وہ مجبوراً اپنے سرپرست کے اصرار پر بے دلی سے وہ مضمون پڑھے گا جس سے اسے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور برابر فیل ہوتا رہے گا۔

بھائی محمد حسن قدوائی کے ساتھ عزیزم خورشید رہتے تھے۔ محمد حسن یہ چاہتے تھے کہ خورشید کامرس پڑھیں لیکن خورشید کو کامرس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی بچارہ کامرس کے چکر میں تین یا چار سال فیل ہوا۔ تب میں نے محمد حسن سے کہا کہ خدا کے لئے خورشید سے کامرس نہ پڑھواؤ خورشید کو اس مضمون سے کوئی دلچسپی نہیں یہ زندگی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

پھر پاس نہ ہو پائیں گے اور ان کا مستقبل برباد ہو جائے گا انھوں نے میری بات مان لی اور کامرس چھوڑ دی خورشید نے آرٹس سے بی، اے کر لیا اور ایک کامیاب جرنلسٹ کی حیثیت یو، این، آئی میں کام کر رہے ہیں۔

محمد حسن بڑی خوبیوں کے آدمی تھے دوستوں کے لئے وہ اپنی جان تک دینے کے لئے تیار ہو جاتے تھے وہ دھن کے پورے اور کام کے پکے تھے اس کے بعد قومی آواز میں کچھ اور لوگ آگئے جن میں باقر حسنین اور عثمان غنی بھی تھے۔ باقر حسنین تو کچھ دنوں بعد پاکستان چلے گئے مگر عثمان غنی ماشا اللہ سے ابھی تک ہیں اور اسسٹنٹ اڈیٹر ہیں۔

بھائی مسیح کا حیات اللہ صاحب سے تعلق اس وقت سے تھا جب وہ ہفت روزہ ہندوستان نکالتے تھے اس میں مسیح صاحب مضامین اور افسانے لکھا کرتے تھے وہ جانے پہچانے افسانہ نگار تھے اور اردو ادب پر ان کی اچھی نظر تھی وہ ڈیوٹی کے بڑے پابند تھے ٹھیک وقت پر آتے تھے ٹھیک وقت پر جاتے تھے وہ کام بھی بڑی تیزی سے کرتے تھے ان کی ڈیوٹی میں کاپی تیار ہونے میں کبھی دیر نہیں ہوتی تھی جیسے کہ بھائی محمد حسن کی ڈیوٹی میں دیر ہو جایا کرتی تھی ہمارے آپس میں بڑے خوشگوار تعلقات تھے مسیح صاحب مزاج کے ذرا تیز تھے لیکن کبھی ہم لوگوں کے درمیان تلخی پیدا نہیں ہوئی رات کو ڈیوٹی ذرا تکلیف دہ ہوتی تھی لیکن کام کرنے میں مزا اسی ڈیوٹی میں آتا تھا کیونکہ اہم خبریں چھ بجے شام سے گیارہ بجے رات تک ہی آتی ہیں۔ عام طور پر ساڑھے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

گیارہ بجے تک کاپی قریب قریب تیار ہو جاتی تھی اس وقت ذرا ہم لوگوں کو فرصت ملتی تھی اور گرمیوں کے زمانے میں ہم لوگ پورٹیکو کی چھت پر کھڑے ہو کر تھوڑی دیر چاندنی رات کا لطف لیتے تھے اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے تھے۔

کبھی کبھی اسحاق سنبھلی صاحب بھی آجاتے تھے اور ان سے سیاسی مسائل پر بحث ہوا کرتی تھی اسحاق سنبھلی صاحب تھے تو مولانا لیکن خیالات کے لحاظ سے کمونسٹ تھے کافی خوش مزاج اور دلچسپ آدمی ہیں وہ صرف سیاسی مسائل ہی پر باتیں نہیں کرتے تھے بلکہ شعرو شاعری اور حسن و عشق پر بھی اظہار خیال کیا کرتے تھے کسی کسی دن مجاز صاحب بھی آجاتے تھے مگر وہ اس حال میں ہوتے تھے کہ بات چیت کا کوئی سوال ہی نہ تھا ہم لوگ اس خیال سے کہ بارہ بجے رات کو وہ اس حالت میں اپنے مکان واقع نشاط گنج کیسے پہونچ سکیں گے انھیں رکشے پر بٹھا کر رکشے والے کو ان کے مکان کا پورا پتہ بتا دیتے تھے اور کہہ دیتے تھے کہ وہ انھیں ٹھیک سے ان کے مکان تک پہونچا دے۔

یہ تھوڑے دنوں کے بعد رضا انصاری، واصف عثمانی شاکر جرولی جمال پاشا اور چودھری نصیر بھی قومی آواز میں آگئے رضا انصاری کا تعلق پہلے ہی سے سیاسی حلقوں سے تھا اس لئے انھیں سیاسی رپورٹنگ کا کام سپرد کیا گیا علماء فرنگی محل کے جد امجد مولانا قطب الدین شہید قصبہ سہالی کے رہنے والے تھے اور ان

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کا مزار بھی وہیں ہے ان کی شہادت کے بعد ان کے لڑکے
ملا نظام الدین لکھنؤ چلے آئے تھے اس طرح رضا انصاری
سے میرا تعلق پہلے سے تھا ساتھ کام کرنے سے تعلق اور گہرا
ہوگیا شاکر جو دلی اخبار نویس ہونے کے علاوہ شاعر بھی تھے
اور بڑے ملنسار آدمی تھے۔ عثمانی صاحب دیکھنے میں جتنے
اول جلول نظر آتے تھے کام میں اتنے ہی چوکس تھے اس
وقت ایک دلچسپ واقعہ یاد آرہا ہے سنا دوں ہوا
یہ کہ سردی کا موسم تھا ہلکی ہلکی سردی پڑ رہی تھی محمد حسن اور
عثمانی صاحب دونوں سیاہ سرج کی گرم شیروانی پہن کر آئے
تھے دفتر میں آکر دونوں نے اپنی اپنی شیروانی اتار کر کھونٹی پر
ٹانگ دی عثمانی صاحب کی ڈیوٹی پہلے ختم ہوگئی وہ آئے اور
بے خیالی میں محمد حسن کی شیروانی پہن کر چلے گئے تھوڑی دیر میں
محمد حسن اٹھے اور کھونٹی سے اتار کر عثمانی صاحب کی شیروانی
پہن لی محمد حسن نے ابھی دو ہی چار دن ہوئے تھے شیروانی دھلوائی تھی
انھوں نے دیکھا تو محسوس ہوا کہ شیروانی ویسی ہی میلی ہے جیسے پہلے
تھی اس لئے انھیں شیروانی دھونے والی واشنگ کمپنی پر بڑا
تاؤ آیا اور اس سے شکایت کرنے امین آباد چل دیئے ادھر عثمانی
صاحب نے سگار پینے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس میں سگار
کے بجائے بیڑی کا بنڈل رکھا پایا تب انھیں احساس ہوا کہ وہ
اپنی شیروانی کے بجائے محمد حسن کی شیروانی پہن کر چلے آئے ہیں
وہ شیروانی واپس کرنے کے لئے گھر سے دفتر کی طرف چلے اچھا

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ہی ہوا کہ محمد حسن سے ان کی ملاقات نظیر آباد ہی میں ہوگئی ورنہ محمد حسن واشنگ کمپنی والے پر جا کر برس پڑتے۔

اس وقت بھائی متین بری طرح یاد آرہے ہیں ان کا پورا نام متین الزماں تھا۔ نگر ہم سب ان کی صحبت میں انھیں متین بھائی کہتا تھا وہ پہلے پروف ریڈنگ کا کام کرتے تھے سیدھے سادے نیک آدمی تھے لیکن باتیں اونچے قسم کی کیا کرتے تھے ان کی باتوں سے ہم لوگوں کو یہ احساس ہوتا تھا کہ انھیں پروف ریڈر کے بجائے سب اڈیٹر ہونا چاہیئے۔ اضلاع کی خبروں کے لئے ایک الگ آدمی کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جارہی تھی تاکہ وہاں کی خبروں کی طرف زیادہ توجہ دی جاسکے اس لئے انھیں ادارتی عملہ میں لے لیا گیا۔ وہ بڑے مزے کے آدمی تھے ان میں یہ کمزوری تھی کہ وہ ظاہر یہ کرتے تھے کہ وہ ہر کام اپنے تعلقات کی بنا پر کر سکتے ہیں اس لئے وہ خواہ مخواہ اپنے سر مصیبت مول لے لیا کرتے تھے ایک دن میں اور عشرت صاحب مرغیاں پالنے کے متعلق بات کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اگر گنجریا فارم میں کوئی جاننے والا ہو تو وہاں سے اچھی مرغیاں منگائی جاسکتی ہیں بھائی متین الزماں کے کان میں بھنک پڑی اور انھوں نے قلم روک دیا اور عینک اتار کر میز پر رکھ دی اور کہا کیا آپ لوگ گنجریا فارم سے مرغیاں منگوانا چاہتے ہیں ہم نے کہا جی ہاں انھوں نے کہا میرے ایک جاننے والے گنجریا فارم میں رہیں ہیں ان کے ذریعہ مرغیاں منگوادوں گا ہم نے کہا اگر آپ ایسا کردیں تو بڑا اچھا ہو اور مرغیاں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE.

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

منگوانے کے لئے انھیں روپئے دیدئے مگر مرغیاں نہ آج آتی ہیں نہ کل دو چار دن کے بعد ہم نے ان سے پوچھا مرغیاں نہیں آئیں جس کا انھوں نے کوئی صاف جواب نہیں دیا اور آ لے با سے لگا کر ٹال دیا بعد کو معلوم ہوا کہ وہ بچارے بڑے پریشان ہیں اور ادھر ادھر لوگوں سے پوچھ رہے ہیں کہ گنجر یا فارم سے مرغیاں کس طرح منگائی جا سکتی ہیں ہم نے ان کو شرمندہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور کہا بھائی متین ہمارے ایک عزیز کا تبادلہ گنجریا فارم میں ہو گیا ہے اب آپ زحمت نہ کریں ہم ان سے مرغیاں منگوا لیں گے۔ یہ سن کر ان کے چہرے پر اطمینان کے آثار نمایاں ہو گئے اور دوسرے دن وہ روپئے واپس کر گئے۔ میرا ان کا مکان قریب قریب تھا جاتے آتے میں ہمارا ان کا ساتھ رہتا۔ رفتہ رفتہ میرے ان کے کافی تعلقات ہو گئے وہ میرا بڑا خیال کرتے ان سے میرے تعلقات آخر تک رہے ان کے انتقال کے بعد بھی ان کے گھر والوں سے تعلق رہا ان کے بڑے لڑکے راشد سے اب بھی ملاقات ہوتی رہتی ہے۔

باقر حسنین اور خورشید نے بھی جن سے میرا تعلق جبلی کالج سے رہا تھا کچھ دنوں تک قومی آواز میں کام کیا تھا بعد کو بھائی باقر پاکستان چلے گئے اور خورشید محکمہ اطلاعات یوپی میں نوکر ہو گئے بھائی خورشید بڑے وضعدار آدمی تھے اپنے دوستوں کا بڑا خیال کرتے تھے وہ دل کے مریض تھے ان کے انتقال کا بڑا صدمہ ہوا۔ قومی آواز سے ریٹائر ہونے سے کچھ پہلے اختر یونس قدوائی جو عرصے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

تک سیاست کانپور میں کام کر چکے تھے قومی آواز میں آئے۔ یہ بڑے مخلص آدمی ہیں میرے ان کے کافی تعلقات ہو گئے وہ اخبار سے متعلق سب کام کر لیتے ہیں۔ وہ ترجمے کے علاوہ ایڈیٹوریل اور مزاحیہ کالم بھی لکھ لیتے ہیں۔

بقول انجی عمر بھی ہو گئی ہے کہ قومی آواز میں اپنے عزیز دوست شکیل الرحمٰن مرحوم کا ذکر کرنا بھول گیا۔ مرحوم لکھتے وقت قلم آپ ہی آپ قلم رک جاتا ہے ابھی حال ہی میں ان کا انتقال دہلی میں ہوا ہے انتقال سے کچھ دن پہلے دہلی سے لکھنؤ آئے تھے کیا معلوم تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے جب ان کے انتقال کی خبر ملی تو یقین نہ آرہا تھا وہ بڑے مخلص، صاف گو اور ذرا تیز مزاج آدمی تھے وہ قومی آواز آنے سے پہلے سکریٹیریٹ میں تھے مگر سپرنٹنڈنٹ سے ان بن کی بنا پر استعفا دے دیا وہ چودھری نعمت اللہ صاحب کے داماد انعام الرحمان صاحب کے عزیز تھے میں نعمت اللہ بلڈنگ میں اس وقت سے ہوں جب میں وکالت پڑھتا تھا انعام الرحمٰن صاحب صبح کے وقت ٹہلنے کے عادی تھے اور پابندی سے جھنڈے والے پارک میں ٹہلنے جاتے تھے میں پابندی سے تو ٹہلنے نہیں جاتا تھا مگر جایا کرتا تھا وہیں ایک دن انھوں نے شکیل الرحمان صاحب کا ذکر کیا اور کہا اگر قومی آواز میں گنجائش ہو تو رکھا دیجئے میں نے اس کا ذکر عشرت صاحب سے کیا اور وہ تیار ہو گئے اس طرح شکیل صاحب ہم لوگوں کے ساتھ قومی آواز میں کام کرنے لگے۔ ان کی عمر زیادہ نہیں تھی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

لیکن ان کے بال بالکل پک گئے تھے انھوں نے بتایا کہ ایک مرتبہ حضرت گنج کے کسی ہوٹل میں اپنی اہلیہ کے ساتھ بیٹھے چائے پی رہے تھے ان کے پیچھے یونیورسٹی کے کچھ لڑکے بھی بیٹھے تھے شکیل صاحب نے سنا کہ لڑکے اپنے ساتھیوں سے کہہ رہے ہیں کہ بوڑھے میاں کسی لڑکی کو پھانس کر لائے ہیں۔ انھوں نے اپنے سفید بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بیوی سے کہا سن رہی ہو لڑکے کیا کہہ رہے ہیں۔ بیوی مسکرائیں اور کہا اسی لئے کہتی ہوں کہ ٹوپی پہنے رہا کیجئے۔ اسی طرح وہ ایک مرتبہ رکشے پر بیٹھ کر امین آباد اپنے گھر آ رہے تھے ساتھ میں ستر اسی برس کے ایک بوڑھے میاں بھی بیٹھے تھے وہ راستے میں ان سے کہنے لگے، بڑے میاں سنبھل کر بیٹھئے گا نظیر آباد کی سڑک بڑی خراب ہے۔ شکیل صاحب نے بتایا دل چاہا کہ رکشے سے پھاند پڑوں لیکن پھر سوچا یہ بوڑھے میاں کی خطا نہیں ہے میرے سفید بالوں کا قصور ہے۔

ایک ردی خریدنے والا ان کے یہاں سے پرانے اخبار لے جایا کرتا تھا کافی دن ہو گئے لیکن وہ نہ آیا ایک دن اتفاق سے وہ بازار میں مل گیا تو شکیل صاحب نے کہا بھائی تم بہت دنوں سے ردی لینے نہیں آئے اخبارات کا ڈھیر لگ گیا ہے اس نے کہا صاحب کیا کہوں آپ کی صاحبزادی (یعنی ان کی بیوی) بہت مول تول کرتی ہیں یہ سن کر شکیل صاحب مسکرائے اور کہا میں صاحبزادی کو سمجھا دوں گا تم ردی لینے آنا۔ انھوں نے جب یہ بات اپنی بیوی کو بتائی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

تو دونوں خوب ہنسے۔ میں ان کے مزاج سے واقف تھا کہ وہ استعفا جیب میں رکھے رہتے ہیں اس لئے جب میں رٹائر ہونے لگا تو میں نے ان کی بیوی سے کہا کہ خیال رکھئے گا استعفا وغیرہ دینے لگیں تو مجھے اطلاع کر دیجئے گا انھوں نے کہا مجھے بتا کر تھوڑے ہی استعفا دیں گے۔

کچھ دنوں بعد میں کسی کام سے قومی آواز گیا تو معلوم ہوا کہ شکیل صاحب نے استعفا دیدیا۔ ان کا انتقال ہو چکا ہے مگر ان کی یاد دل میں تازہ ہے خدا سے دعا ہے کہ وہ انھیں غریق رحمت کرے۔

حیات اللہ صاحب جب رٹائر ہوئے تو عشرت صاحب ان کی جگہ پر چیف اڈیٹر ہو گئے اور محمد حسن اسسٹنٹ اڈیٹر کیونکہ ملازمت کے لحاظ سے ہم لوگوں سے سینئر تھے عشرت صاحب جب اسسٹنٹ اڈیٹر تھے تب بھی تمام انتظامی امور وہی دیکھتے نوٹس لکھنے کے علاوہ دنیا کا حال اور حیات اللہ صاحب کی عدم موجودگی میں ایڈیٹوریل بھی لکھا کرتے تھے اس لئے اس تبدیلی سے کوئی فرق نہیں محسوس ہوا۔ کچھ دنوں تک عابد سہیل صاحب نے بھی جو بعد کو نیشنل ہیرالڈ چلے گئے قومی آواز میں کام کیا۔ رپورٹنگ میں رضا انصاری صاحب کے علاوہ چودھری نصیر بھی آگئے جو اب بھی کام کر رہے ہیں۔ اس درمیان منظر صاحب روس چلے گئے شاکر جرنلی صاحب نے بھی ملازمت چھوڑ دی۔ متین الزماں صاحب رٹائر ہو گئے رضا انصاری بھی چلے گئے۔ میرے رٹائرمنٹ

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کا وقت قریب آ رہا تھا۔ میرے سامنے ہی خلیل صاحب اور واصف رضا کا تقرر ہو گیا تھا۔

کاتبوں میں مجاہد صاحب، نوابو صاحب، یاور صاحب اور سید علی صاحب کا انتقال ہو گیا اور کچھ کاتب صاحبان ریٹائر ہو گئے مجاہد صاحب، نوابو صاحب اس وقت لکھنؤ کے بہت اچھے کاتبوں میں شمار کئے جاتے تھے انھوں نے اپنی خوشنویسی سے اخبار میں چار چاند لگا دیئے یہی دونوں آدمی شاہ سرخی لکھتے تھے یاور صاحب جلقے بہت اچھے لکھتے تھے سید علی صاحب بڈھن صاحب کے لڑکے تھے اور ان کی خصوصیت یہ تھی کہ غلطیاں بہت کم کرتے تھے اور خراب سے خراب لکھا ہوا پڑھ لیتے تھے نوابو صاحب اور مجاہد صاحب کے بعد محمد احمد انور کاتب شاہ سرخیاں لکھتے تھے یہ مزاج کے بڑے اچھے تھے۔ چپراسیوں میں ہمارے زمانے میں مدار بخش، سعید، ببے اور بعد میں رؤف آ گئے تھے مدار بخش کی یاد اب تک تازہ ہے وہ لکھنوی تہذیب کا ایک نمونہ تھے نہایت مہذب، آداب و تسلیمات سے لیس عینک لگاتے تھے اور کرتا پائجامہ پہنتے تھے ہم لوگ بھی ان کا بڑا لحاظ کرتے تھے۔ اخبار میں کام کرنے والے چائے کے بڑے عادی ہوتے ہیں۔ رات میں کام کرتے کرتے اور چائے پیتے پیتے عام طور پر اپنی صحت چوپٹ کر لیتے ہیں۔ اڈیٹروں کے لئے مدار بخش بڑی مستعدی سے چائے لاتے۔ ان کی اس مستعدی کی بنا پر لوگ ان کو چائے پینے کے پیسے دیا کرتے تھے میں چائے نہیں پیتا تھا اس لئے میں عید، بقر عید کے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

علاوہ ان کی کوئی خدمت نہ کر سکتا تھا۔ جب کوئی ملنے والا آجاتا
تھا اور میں اس کے لئے چائے منگواتا تھا اور چائے کے پیسے دینے کے
لئے ان کو نوٹ دیتا تھا تو وہ بقیہ پیسے واپس کرنے کے بجائے اپنے
ہی پاس محفوظ رکھتے تھے تھوڑے پیسے ہوتے تھے تو میں ان
سے نہیں مانگتا تھا اور جب کبھی مانگ لیتا تھا تو وہ اس طرح چونک
کر معذرت کرتے ہوئے جیب سے پیسے نکال کر دیدیتے تھے
جیسے کہ وہ بھول گئے ہوں۔ مرحوم بڑے کارگذار آدمی تھے چوک
کی طرف جو کام ہوتا تھا ہم لوگ انہی کے ذریعہ کرا لیتے تھے ادھر کے
سب دکانداروں سے ان کی یاد اللہ تھی۔ سعید بہت نیک اور
سیدھے آدمی تھے ان کا انتقال اچانک ہو گیا ابھی ان کی زیادہ
عمر نہیں تھی ان کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے نعیم کو نوکر رکھ لیا
گیا حالانکہ اس وقت وہ کافی چھوٹا تھا۔ ببے زیادہ دنوں تک
نوکر نہیں رہے لیکن بڑے مزے کے آدمی تھے ایک مرتبہ ٹیلی فون کی
گھنٹی بجی انھوں نے فون اٹھا کر ہلو کہا اور پوچھا آپ کس کو چاہتے ہیں
فون کرنے والے صاحب دلچسپ آدمی تھے انھوں نے کہا آپ نام
بتائیے ممکن ہے میں آپ ہی کو چاہنے لگوں ببے نے فوراً کہا آپ مجھے
کیا چاہیے گا میں چپراسی ہوں اس کے بعد ان صاحب نے فون رکھ دیا
ایک مرتبہ گھنٹی بجنے پر انھوں نے فون اٹھایا ادھر سے شاید کوئی صاحبہ
تھیں آوازیں بول رہی تھیں انکی آواز انھیں سنائی نہیں دے رہی تھی انھوں نے
جھنجھلا کر کہا ذرا کس کے بولئے اس کے بعد ان صاحبہ نے فون رکھ دیا
پروف ریڈروں میں نصر ناطقی صاحب خاص چیز تھے وہ

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

پروف ریڈنگ بہت اچھی کرتے تھے وہ کاتبوں کی غلطی پکڑنے کے ساتھ ساتھ کبھی ہم لوگوں کی بھی غلطی پکڑ لیتے تھے وہ صرف پروف ریڈر ہی نہیں شاعر بھی تھے اس کے علاوہ ہاتھ بھی دیکھتے تھے۔ اور لوگوں کی تقدیر کا حال بتایا کرتے مگر وہ اپنی تقدیر سے بیزار تھے۔ وہ ایڈوانس لینے میں بڑے ماہر تھے ایک مرتبہ ڈائرکٹر کے حکم سے ایڈوانس بند کر دیا گیا مگر انھوں نے معلوم نہیں کیا جادو کیا کہ منیجر سے ایڈوانس دینے کے لئے لکھوا لائے آخر میں رپورٹنگ میں امین سلونوی صاحب کے بیٹے حسین امین آگئے یہ بڑے سعادتمند ہنس مکھ اور ملنسار آدمی ہیں انھوں نے بڑی مستعدی سے اپنا کام انجام دیا اور اپنی جگہ پیدا کرلی۔ کاتبوں میں افضل صاحب کا ذکر کرنا بھول گیا بات یہ ہے کہ وہ نمبر اول بھلکڑ ہیں اسی لئے مجھ پر بھی وہی اثر ہو گیا ورنہ وہ بھولنے والی چیز نہیں انتہائی نیک ملنسار ساتھ ہی ساتھ کاتب بھی اچھے وہ ہر طرح کی کتابت کر لیتے ہیں پھول بوٹے بھی بنا لیتے ہیں شاعر بھی ہیں ان کی بھول کے بہت سے واقعات ہیں مگر دفتر میں جو پیش آیا وہ سن لیجئے گرمی کے دن تھے وہ دفتر آئے اور شیروانی اتار کر ٹانگنے لگے تب انھیں پتہ چلا کہ کرتا پہننا ہی بھول گئے صرف شیروانی پہن کر چلے آئے۔ اشتہارات کے محکمے میں جعفری صاحب تھے جو قومی آواز کے اشتہارات کا کام دیکھتے تھے وہ کبھی کبھی اشتہار کے ترجمے میں ہم لوگوں سے مدد لیا کرتے تھے اس سلسلے میں ان سے میرے کافی تعلقات ہو گئے ریٹائر ہونے کے بعد بھی میری ان کی ملاقات ہوا کرتی تھی کیونکہ میرے جاننے والوں کو جب اشتہار

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

دینا ہوتا تھا تو وہ یہ کام میرے سپرد کر دیتے تھے وہ بیچارے میرا کام بڑی اچھی طرح کرتے تھے اشتہار کی عبارت میں مناسب کاٹ چھانٹ کر کے کم پیسوں میں کام کرا دیتے تھے۔

دفتروں میں عام طور پر جب کوئی رٹائر ہونے والا ہوتا ہے اور ایک آدھ مہینہ رہ جاتا ہے تو اسے صرف رجسٹر پر دستخط کرنے آنا پڑتا ہے اور اس کے سپرد کوئی کام نہیں کیا جاتا مگر اخبار کی نوکری ایسی ہے کہ اس میں جو بھی ڈیوٹی پر آگیا پھر اسے سر اٹھانے کی مہلت نہیں ملتی چنانچہ ۱۶ فروری ۱۹۷۶ء کو میں رات کی پوری ڈیوٹی کر کے رٹائر ہوا۔ میں اپنے ساتھیوں کا مشکور ہوں کہ انھوں نے بڑے خلوص کے ساتھ مجھے رخصت کیا الوداعی پارٹی دی ساتھ ہی ساتھ چائے کا ایک خوبصورت سٹ دیا جسے میں یادگار کے بطور اب تک محفوظ کئے ہوئے ہوں اخبار کی نوکری بڑی محنت کی ہوتی ہے اور رات کو کام کرنا تکلیف دہ ہوتا ہے مگر جب کوئی کام اپنے مزاج کے مطابق ہوتا ہے تو اس کے کرنے میں مزا آتا ہے اور خوشی ہوتی ہے میرے بعض عزیز مجھ سے کہا کرتے تھے کہ اچھی بھلی سرکاری نوکری چھوڑ دی وکالت بھی نہیں کی اور اخبار میں کام کرنے چلے آئے جہاں پنشن تک نہیں مگر مجھے کبھی بھی سرکاری نوکری چھوڑنے اور وکالت نہ کرنے کا افسوس نہیں ہوا کیونکہ یہ دونوں کام میرے مزاج کے مطابق نہیں تھے۔

رٹائر ہونے کے وقت عشرت صاحب نے کہا اب نگلوریاں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

لکھتے رہیئے میں نے کہا لکھتا رہوں گا لیکن دفتر نہ آسکوں گا گھر پر لکھ کر رکھ دوں گا آپ چپراسی بھیج کر منگا لیا کیجئے گا ریٹائر ہوئے دس سال ہوگئے ہیں یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ میرے چار لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں خدا کے فضل سے دونوں لڑکے طبیہ کالج لکھنؤ سے پاس کرکے مطب کر رہے ہیں چار لڑکیوں میں تین کی شادی ہوچکی ہے بڑی لڑکی عطیہ قدوائی مسلم کالج مرادآباد کے پرنسپل اظہر حسین سوالی کو بیاہی ہے اور خود بھی عبدالسلام گرلس کالج میں ٹیچر ہے دوسری لڑکی ریحانہ قدوائی کی صحت شروع ہی سے خراب تھی اس نے شادی کرنے سے انکار کر دیا وہ ہم لوگوں کے ساتھ رہتی ہے میں نے اس کے لئے بینک میں روپیہ جمع کر دیا ہے تاکہ وہ کسی کی محتاج نہ رہے اور اپنا خرچہ خود برداشت کرسکے تیسری لڑکی رضوانہ قدوائی کی شادی آئی ایس کے شکیل رسول عثمانی سے ہوئی ہے وہ سندیلہ مویشی اسپتال میں ہیں چوتھی لڑکی فرزانہ قدوائی نے پہلا کالج سے ایف، ایس، سی کرکے طبیہ کالج لکھنؤ سے بی، یو، ایم ایس کیا اس کی شادی شہاب خالد عرف خلیق سے ہوئی جو بارہ بنکی میں وکالت کرتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ریٹائرمنٹ کے بعد

آصف عزیز قدوائی میرا بڑا لڑکا ہے اور عارف عزیز قدوائی چھوٹا لڑکا۔ میں ۱۲ ارفروری ۱۹۷۶ء میں ریٹائر ہوا تھا اور آصف نے جون ۱۹۷۶ء میں گھر یعنی نعمت اللہ بلڈنگ امین آباد کے پاس ہی ہیلا کالج کے پیچھے مطب شروع کیا اخبارات کے ملازمین کو پنشن نہیں ملتی اس لئے ذہنی طور پر پریشانی تھی کہ رہن سہن کے اس معیار کو کیسے برقرار رکھا جا سکے گا جواب تک چلا آرہا تھا۔ میرا مکان شہر کے قلب میں ہے اور میں دور کا نہیں سہالی ضلع بارہ بنکی کا رہنے والا ہوں۔ خدا کے فضل سے میرے یہاں آنے جانے والوں کی کبھی کمی نہیں رہی مجھے اس کی خاص طور پر فکر تھی مگر خدا مسبب الاسباب ہے وہ کہیں نہ کہیں سے انتظام کر ہی دیتا ہے۔

آصف نے جب گوئن تالاب امین آباد میں مطب شروع کیا تو میں سمجھتا تھا کہ ابھی ایک آدھ سال ان کے مطب کا کرایہ مجھے دینا پڑے گا مگر اللہ کی عنایت سے پہلے ہی مہینے آٹھ سو روپے کی آمدنی ہوئی اب مطب کرتے دس سال ہو گئے ہیں ہیں خاصی پریکٹس چل رہی ہے جون ۱۹۷۶ء سے آصف ہی گھر کے کل اخراجات پورے کر رہا ہے۔ ہمارے نئے مالک مکان اللہ ان کو جنت نصیب کرے عجب مزاج کے آدمی تھے۔ ان سے پہلے ہمارے مالک مکان چودھری نعمت اللہ صاحب تھے ان کے زمانے میں ہمیں کسی قسم کی زحمت نہیں ہوئی وہ سالانہ

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

سفید کراتے اور جتنی سہولت ممکن ہوتی ہم لوگوں کو دیتے ان کے انتقال کے بعد ہم لوگ جس مکان میں رہتے تھے اس طرف کا حصہ ان کی صاحبزادی کے حصے میں آیا انھوں نے اس حصے کو فروخت کر دیا نئے مالک مکان جیسا کہ میں نے عرض کیا عجیب و غریب آدمی تھے ۔ مکان خریدنے کے چھ ماہ بعد جب وہ لکھنؤ آ گئے تو انھیں میرے مکان سے ملا ہوا مکان خالی ملا اور وہ اس میں رہنے لگے ۔ دو ایک دن بعد وہ کرایہ مانگنے میرے پاس آئے میں نے کہا باقی کرایہ ابھی حاضر کرتا ہوں مگر یہ بتائیے کہ مکان خالی کرانے کے لیئے نوٹس کب دیجیے گا تو آپ یقین کیجیے کہ انھوں نے کہا تا تحقیق ہو جو نوٹس دے لیکن اس کے تیسرے ہی مہینے ہم لوگوں کو تخلیہ کا نوٹس ملا جس سے ہمیں اپنے نئے مالک مکان کی حقیقت معلوم ہو گئی ۔ نوٹس کے بعد انھوں نے مقدمہ دائر کر دیا ۔ میں زمیندار گھرانے میں پیدا ہوا تھا دو سال وکالت بھی کر چکا تھا مجھے مقدمہ دائر ہو جانے سے گھبراہٹ نہیں ہوئی میں نے اپنے نئے مالک مکان سے اس کی کوئی شکایت نہیں کی مگر میں نے ان سے یہ ضرور بتایا کہ مقدمے کا آخری فیصلہ میری اور آپ کی زندگی میں ہونا مشکل ہے کیونکہ وہ ریٹائر ہو چکے تھے اور ساٹھ سال سے زیادہ عمر کے تھے اور میری عمر بھی باون سال سے تجاوز کر چکی تھی چنانچہ مقدمہ چودہ سال تک چلتا رہا اور بحث کی نوبت تک نہ آئی آخر کار مالک مکان صاحب کا انتقال ہو گیا اور مقدمہ ختم ہو گیا ۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ایک دن وہ نیچے ہمارے پڑوسی منیجر صاحب کے کمرے میں بیٹھے تھے وہاں ایک دوسرے پڑوسی منیرالدین قدوائی مرحوم بھی بیٹھے تھے میں گیا اور میں بھی وہیں بیٹھ گیا تخلیہ مکان کا مقدمہ منیجر صاحب کے خلاف بھی تھا میں نے اپنے مالک مکان سے کہا کہ مجھے اس کی کوئی شکایت نہیں ہے کہ آپ نے مقدمہ دائر کیا ہے مگر اس کا رنج ضرور ہے کہ آپ نے خواہ مخواہ اپنے کو نطفہ نا تحقیق ثابت کر دیا انھوں نے کہا یہ کیسے میں نے کہا جب آپ کرایہ لینے میرے پاس آئے تھے تو میں نے کہا تھا کہ آپ تخلیہ مکان کا نوٹس کب دے رہے ہیں تو آپ نے فرمایا نطفہ نا تحقیق ہو جو نوٹس دے اور آپ نے تیسرے ہی مہینے نوٹس دیدیا وہ بولے میں نے تو یہ نہیں کہا تھا سامنے ہی میز پر قرآن شریف رکھا تھا میں نے اسے اٹھا لیا اور کہا میں اسے ہاتھ میں لے کر کہتا ہوں کہ آپ نے یہ بات کہی تھی اب آپ بھی قرآن شریف ہاتھ میں لے کر کہہ دیجئے کہ آپ نے یہ نہیں کہا تھا اس کے بعد وہ اٹھ کر جانے لگے اس پر ہمارے منیر بھائی نے زور زور سے کہنا شروع کر دیا نطفہ نا تحقیق بھاگا، نطفہ نا تحقیق بھاگا۔ منیر بھائی بڑے دلچسپ آدمی تھے کھانے کا انھیں بڑا شوق تھا اچھا کھاتے تھے اور کھلاتے بھی تھے۔ ہمارے پڑوسی منیجر صاحب جن کا نام عبدالعلیم تھا بڑے خوش اخلاق شاہ خرچ اور کنبہ پرور تھے۔

نئے مالک مکان چونکہ عجب خصوصیات کے تھے اس لئے ان کا تفصیل سے ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا وہ ریلوے کے رٹائرڈ

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اسٹیشن ماسٹر تھے ان کے کہنے کے مطابق سامان کی پکنگ میں انھوں نے بے شمار کمایا تھا پراویڈنٹ فنڈ اور گریجویٹی کی رقم بھی ملی تھی گھر میں جائداد تھی اور خود انھوں نے ضلع بہرائچ اور بارہ بنکی میں زمین خریدی تھی نعمت اللہ بلڈنگ میں ہم لوگوں والے مکانات خریدے تھے ان کا کرایہ ملتا تھا مگر حالت یہ تھی کہ میلا پائجامہ، میلا کرتا پھٹی بنڈی اور ہوائی چپل پہنتے تھے میں نے انھیں کبھی رکشے پر بیٹھے نہیں دیکھا۔ انھوں نے یہاں مکان میں آتے ہی اپنے یہاں کی بجلی کٹوا دی نل بھی کٹوا دیا۔ اور اسی نل میں ہینڈ پمپ لگوا کر اسی سے پانی کھینچا کرتے تھے۔ زینے پر چڑھنے میں مدد کے لئے لوہے کا راڈ لگا ہوا تھا اسے کٹوا کر رکھ دیا شاید اس لئے کہ وہ گھس جاتا۔ اس خیال سے کہ تھوک میں سستی ملے گی ترکاری منڈی سے اکٹھا خرید لاتے تھے اور اسے پکوا کر ہفتوں گرم کر کر کے کھایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ بیمار پڑے ڈاکٹر نے سنترے کھانے کو بتایا منڈی گئے اور ایک پیٹی سنترے خرید لائے دو چار دن بعد سنترے سڑنے لگے میرے پاس آئے اور پوچھا سنترے تو نہ بیچئے گا میں نے کہا کیا سنتروں کی تجارت شروع کی ہے بولے نہیں ڈاکٹر نے بتایا تھا ایک پیٹی لایا تھا میں نے کہا اب وہ خراب ہو رہے ہوں گے تو آپ میرے سر منڈھنا چاہتے ہیں سڑے سنترے آپ ہی کو مبارک مجھے بخشئے۔

ان کی کنجوسی سے ان کے وکیل بھی واقف ہو گئے تھے۔ گرمی کا موسم تھا سخت لو چل رہی تھی مقدمے کی پیروی کے لئے کچہری گئے حسب معمول بشتی تہمد کمی میں چلنے لگا تو ان کے وکیل صاحب نے مجھ سے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کہا آپ انھیں اپنے ساتھ رکشے پر لیتے جائیے ورنہ اگر لو لگ گئی اور یہ مر گئے تو ہمارا نقصان ہوگا۔ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی یہ مکانات ان کی بیوی کے نام تھے وہ زبانی وصیت کر گئی تھیں کہ انھیں وقف کر دیا جائے لیکن کنجوسی نے وقف کرنے کی اجازت نہیں دی یہ کئی مرتبہ ندوہ اور یتیم خانے اسی غرض سے گئے مگر وقف نہ کیا۔ ایک مرتبہ ان کے بھائی آئے اور ایک ہفتہ ان کے یہاں رہے جب وہ چلے گئے تو انھوں نے ان کے کھانے پر جو صرف ہوا تھا اس کا بل بنا کر ان کے پاس بھیج دیا بعد کو معلوم ہوا کہ انھوں نے منی آرڈر سے روپیے بھیج دیئے۔ ان کے تعلقات اپنے عزیزوں سے اچھے نہیں تھے ایک دن میں نے کہا کہ اب آپ کی اچھی خاصی عمر آ گئی ہے صحت بھی ٹھیک نہیں ہے آپ اپنی جائداد اپنے بھائی بھتیجوں کے سپرد کر دیجیے وہ بولے بھلا میں ان کو اپنی جائداد دوں گا انھوں نے کانی انگلی پر پیشاب نہیں کیا مگر جائداد ملی انہی کو یہ اپنی کنجوسی سے نہ وقف کر سکے اور نہ کسی دوسرے عزیز کو دے سکے ان کے مرنے کے بعد ظاہر ہے جائداد حقداروں کو نہ ملتی تو پھر کس کو ملتی ان کے بھائی آئے وہ کافی تیز اور چالاک آدمی تھے انھوں نے یہ مکانات اچھے داموں میں بیچ دیئے اور چلے گئے۔

میں سابق زمیندار ہوں اس لئے مجھے زمین کا بڑا شوق ہے چنانچہ خاتمہ زمینداری کے بعد جو معاوضہ ملا اس کی میں نے شہر میں زمین خریدی ظاہر ہے کہ زیادہ پیسے تو تھے نہیں کہ امین آباد میں یا اس کے آس پاس گراں زمین خرید سکتا اس لئے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کھدرے، گھوسی پروا (مردوے نگر) اور محب اللہ پور کے پاس زمین خرید کر ڈال دی کھدرے والی زمین ہم پانچ آدمیوں نے مل کر لی تھی ہوا یہ کہ سن ساٹھ کی جب بہیا آئی تو مدح گنج میں میرے ایک دوست فرخند علی صدیقی رہتے تھے میں ان کی خیریت دریافت کرنے گیا ابھی پانی ان کے گھر تک نہیں پہونچا تھا مگر سیتاپور روڈ کے دونوں طرف پانی ہی پانی دکھائی دیتا تھا حکومت نے سیلاب زدگان کے لئے اونچی جگہوں پر ٹین کے شیڈ ڈلوا کر رہنے کا انتظام کر دیا تھا۔ میں جب مدح گنج جانے لگا تو سیتاپور روڈ سے لگے ہوئے ایک ٹیلے پر جو کھدرے کے علاقے میں تھا سیلاب زدگان کے لئے ٹین ڈالے گئے تھے میں نے فرخند صاحب سے کہا کہ بھائی یہ زمین تو بڑی اچھی جگہ ہے کہ زبردست سیلاب میں بھی پانی نہیں آیا پتہ چلائیے کہ کس کی ہے تاکہ مالک سے بات چیت کر کے اسے خرید لیا جائے انھوں نے میرا یہ خیال پسند کیا جب سیلاب کم ہو گیا تو فرخند صاحب نے پتہ لگایا۔ معلوم ہوا کہ یہ آراضی سیتاپور کے رہنے والے ایک صاحب کی ہے ان کی ایک کوٹھی سیتاپور روڈ پر بھی تھی اس میں ان کا آدمی حفاظت کی غرض سے رہتا تھا اس سے پتہ پوچھ کر ہم لوگ سیتاپور گئے اور مالک زمین سے بات چیت کی ہمارے ساتھ فرخند صاحب کے علاوہ ڈگریلا کے ہمارے دوست عتیق غوری صاحب بھی تھے اس زمانے میں سیتاپور میں آل حسن صاحب سب رجسٹرار تھے ہم لوگ ان سے بھی ملنے گئے جب انھیں معلوم ہوا کہ ہم لوگ اس

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

غرض سے آئے ہیں تو انھوں نے کہا کہ مجھے بھی شریک کر لیجئے
اس طرح یہ زمین فرخند صاحب عتیق صاحب، عتیق صاحب کی
بہن شاگرد، آل حسن صاحب اور میں نے مل کر خرید لی۔ اور
کافی دوڑ دھوپ اور اچھا خاصا پیسہ صرف کر کے باقاعدہ
لے آؤٹ منظور کرا لیا جس میں بیچ میں سڑک اور بائی لاز
کے مطابق سامنے کافی زمین چھوڑنی پڑی اس طرح پانچ پلاٹ کئے
گئے دو پلاٹ سامنے تھے اور تین پیچھے تھے یہ ہوا کہ انھیں اس
طرح تقسیم کیا جائے کہ کسی کو شکایت نہ ہو چنانچہ قرعہ اندازی
کی گئی جو پلاٹ جس کے نام نکل آیا وہ اسے دے دیا گیا فرخند
صاحب اور مجھے آگے کا پلاٹ ملا۔ زمین کا بٹوارہ کر کے باقاعدہ
رجسٹری کرائی گئی اس زمین کے تین طرف سڑک تھی مگر پورب
کی طرف وہ آبادی سے ملا ہوا تھا ہم لوگوں نے اپنی زمین کا کچھ
حصہ چھوڑ دیا اور پورب طرف بھی ہمارا پلاٹ آبادی سے
الگ ہو گیا۔

فرخند صاحب کے خسر انتظام علی صاحب پولیس میں
تھے اور حال ہی میں رٹائر ہوئے تھے ہم لوگ ان کو داروغہ جی
داروغہ جی کہتے تھے وہ تھے تو داروغہ لیکن نہایت نیک سیدھے اور
ہمدرد آدمی تھے انھوں نے اپنی نگرانی میں فرخند صاحب کا مکان بنوایا
اس کے بعد پیچھے کی طرف کے دو کمرے اور نیچے کی دکانیں میرے
حصے میں بنوائیں ان کا انتقال ہو گیا ہے مگر اب بھی وہ یاد آجاتے
ہیں۔ اس کے بعد عتیق صاحب نے بھی اپنے کچھ حصے پر مکان

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

بنوالیا باقی دو پلاٹ خالی پڑے ہیں۔

اس کے علاوہ اواس و کاس کے دو سنگل روم والے مکانات ایک تال کٹورہ میں اور دوسرا اندرا نگر میں ریحانہ اور عارف کے نام الاٹ کرا دیئے وہ خود میرے نام اس لئے الاٹ نہیں ہو سکتے تھے کہ میرا مکان کھدرے میں تھا۔ گھوسی پرواد سروے نگر) میں ریحانہ قدوائی، عطیہ قدوائی اور آصف عزیز قدوائی کے نام سے تین پلاٹ خریدے بعد کو عطیہ اور آصف نے مجھے روپئے دے دیئے اگر یہ پلاٹ خالی پڑے رہتے تو نکل جاتے اس لئے ان پر ایک ایک کمرہ بنوا دیا گیا۔ مگر ان کمروں کو کرایہ پر نہیں دیا گیا کیونکہ بعد کو خالی کرانے میں دقت ہوتی۔

ہمارے ایک عزیز راشد بڑے مخلص اور ملنسار آدمی ہیں ان کی خصوصیت یہ ہے کہ جو کچھ کرتے ہیں وہ دوسروں کے لئے کرتے ہیں لیکن اپنی کوئی فکر نہیں کرتے چنانچہ اب تک وہ اپنا کوئی مکان نہ بنوا سکے اور کرائے کے مکان ہی میں رہ رہے ہیں میں نے ان کو بھی اندرا نگر میں ایک کمرے والا مکان الاٹ کرا دیا۔ ہماری طرف کا رہنے والا ایک آدمی عبدالخالق جو چارپائی بننے اور ٹھیک ٹھاک کرنے کا کام کرتا ہے اسے بھی تالکٹورہ میں ایک کمرے والا مکان الاٹ کرا دیا۔ وہ ہر جمعہ کو تالکٹورہ سے ہمارے یہاں آتا ہے اور ہمارا بڑا خیال کرتا ہے۔ چونکہ وہ چارپائیوں کی مرہم پٹی کا کام کرتا ہے اس لئے ہم نے مذاق میں اسے ڈاکٹر کھٹیا کہنا شروع کر دیا آپ یقین کیجئے اس کا یہ نام اتنا مقبول ہوا کہ سب

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

لوگ اسے ڈاکٹر کھٹیا کہنے لگے اور اس کا اصلی نام بھول گئے۔

ہمارا حویلی نما بڑا سا آبائی مکان سہالی میں ہے ایک کمہار ہمارے زمینداری والے گاؤں فتاح پور میں تھی ہماری والدہ کا ایک مکان دیوا میں تھا۔ لکھنؤ میں بھی کھدرا، گھوسی پروا، اندرا نگر، تال کٹورا ہر جگہ چھوٹے بڑے مکانات تھے لیکن ہم تقریباً پچاس سال سے نعمت اللہ بلڈنگ میں کرائے کے مکان ہی میں رہ رہے ہیں جو ہماری ضروریات کے لحاظ سے بہت چھوٹا ہے مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ مکان کا جائے وقوع بڑی اہمیت رکھتا ہے دوسرے ایک عرصے تک کسی جگہ رہنے سے وہاں کے لوگوں سے جو تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں ان کا ختم کرنا مشکل ہو جاتا ہے ہمارا کرائے کا یہ مکان امین آباد میں ہے جس کی وجہ سے لڑکوں اور خاص طور پر لڑکیوں کی تعلیم میں بڑی آسانی ہوئی جھیلا کالج ہمارے گھر کے قریب ہی تھا۔ اس کے علاوہ ضرورت کی ہر چیز بڑی آسانی سے وہاں مل جاتی تھی ہماری خوش قسمتی یہ بھی رہی کہ ہمیں پڑوسی اچھے ملے تھے۔ علیم صاحب منیر صاحب، انعام الرحمان صاحب مولوی فہیم الدین۔ ان کے بھائی شرف الدین سب سے ہمارے تعلقات خوشگوار رہے شرف الدین کی اہلیہ قریشہ سے میری بیوی سے اتنے تعلقات تھے کہ سگی بہنوں میں کیا ہوں گے اس رشتے سے وہ مجھے اپنا بہنوئی کہتی تھیں میں بھی انھیں سگی سالی سمجھتا تھا انھیں تعلقات کی بنا پر ہمارے گھر والے کسی طرح نعمت اللہ بلڈنگ چھوڑنے پر تیار نہیں ہوئے اور تنگ جگہ کے باوجود اب تک وہیں

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

رہتے رہتے ہیں۔

میں زمانہ طالب علمی میں ہاکی کھیلتا تھا ان ڈور گیمس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی اسی لئے میں نہ تاش کھیلنا جانتا ہوں نہ کیرم وغیرہ اسی طرح مجھے خدا کے فضل سے پان بیڑی سگریٹ کسی چیز کی کوئی لت نہیں ہے حتی کہ میں چائے کا بھی عادی نہیں بس صبح شام جب گھر میں چائے بنتا ہے تو پی لیتا ہوں اگر یہ بھی نہ ملے تو مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔ میں جیسی چائے پیتا ہوں اسے چائے کے شوقین چائے کہنا پسند نہ کریں گے کیونکہ اس میں چائے کم دودھ اور شکر زیادہ ہوتی ہے۔

اخبارات، رسائل اور کتابیں پڑھنے کا شوق ندوہ میں بھائی رئیس احمد جعفری کے ساتھ رہنے کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا مضامین بھی وہیں سے لکھنے لگا تھا مجھے یاد ہے کہ میرا سب سے پہلا مضمون بچوں کے رسالے غنچے میں شایع ہوا تھا جس کی مجھے اتنی خوشی ہوئی تھی کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ ندوہ میں انجمن الاصلاح کی لائبریری سے میں نے بڑا فائدہ اٹھایا اور ادبی ذوق اسی کی دین ہے اس کے بعد جامعہ ملیہ کی لائبریری سے بھی مجھے بہت فائدہ پہونچا۔ ہمارے زمانے میں نیازی صاحب لائبریری کے نگراں اعلا تھے جامعہ کی لائبریری میں عربی کی بھی کتابیں تھیں مجھے ناولیں پڑھنے کا بڑا شوق تھا میں نے جامعہ کی لائبریری میں موجود عربی کے جتنے ناول تھے قریب قریب سب پڑھ ڈالے۔ ایک ناول جہاد المجیس کا نام ابھی تک یاد ہے لکھنو یونیورسٹی کی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

لائبریری سے بھی کتابیں پڑھیں لیکن جتنا فائدہ اٹھانا چاہیئے تھا اتنا فائدہ نہ اٹھا سکا۔ میرے بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالحبیب صاحب ماہانہ رسالہ ہمایوں جو لاہور سے نکلتا تھا پابندی سے منگاتے تھے میں بھی اسے پڑھا کرتا تھا میرا ایک مضمون بھی اس میں شایع ہوا تھا اس کے بعد مختلف رسالوں میں گاہے بگاہے مضامین لکھتا رہا۔

•

دانش محل

حکیم اسرار صاحب جو افسانہ نگار ڈاکٹر اعظم کوریولی کے چھوٹے بھائی تھے اور اپنے بڑے بھائی سے کہیں زیادہ پڑھے لکھے آدمی تھے انھیں اردو کتابوں کی دکان لکھنؤ میں کھولنے کا خیال پیدا ہوا۔ ان کے تعلقات مولانا عبدالحق سے تھے انھیں اس سلسلے میں ان سے بھی مدد ملی۔ حکیم صاحب کے تعلقات نجم الدین قدوائی سے تھے انھوں نے ان سے مشورہ لیا مگر وہ یہ کام خود نہیں کر سکتے تھے اس لئے انھوں نے نجم الدین سے کہا کوئی ایسا آدمی دو جو یہ کام سنبھال سکے اس زمانے میں بھائی نسیم جامعہ ملیہ کی کتابوں کی دکان پر کام کرتے تھے نسیم سے ہم لوگوں کے پرانے تعلقات تھے چنانچہ نجم الدین کے کہنے سے نسیم یہ ذمہ داری اٹھانے کے لئے تیار ہو گئے۔

دانش محل کے نام سے کتابوں کی ایک دکان امین آباد میں کھول

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

دی گئی۔ اس میں کتابوں کے رکھنے اور آنے والوں کے بیٹھنے وغیرہ کا انتظام نئے ڈھنگ سے اور سلیقے کے ساتھ کیا گیا اتفاق سے اس کے لئے جگہ بھی بڑی اچھی مل گئی۔ حکیم اسرار صاحب دانش محل نسیم کے سپرد کر کے دوسرے کاموں میں لگ گئے کبھی کبھی آتے اور مل جل کر چلے جاتے نسیم نے بڑی محبت سے دانش محل کو واقعی دانش محل بنا دیا ان کی خوش مزاجی اور حسنِ اخلاق سے رفتہ رفتہ دانش محل اردو سے دلچسپی رکھنے والوں کا اڈا بن گیا۔

پروفیسر احتشام حسین صاحب پابندی سے یونیورسٹی جاتے وقت اس کے بعد شام کو ضرور یہاں آتے حسینی صاحب ٹلہری صاحب بھی دوسرے تیسرے دن آ جاتے، باقر حسین خورشید اور نجم الدین قدوائی اکثر آتے رہتے باقر حسین اور دوسرے ساتھیوں کی تجویز پر ارباب دانش کا ایک حلقہ بنایا گیا جس کی نشست ہر ہفتے دانش محل میں ہوتی جس میں اثر لکھنوی صاحب بھی شرکت فرماتے حسینی صاحب اور ٹلہری صاحب کے علاوہ منظر سلیم، مشیخ الحسن رضوی بھی حلقہ ارباب دانش کے جلسوں میں شرکت کرتے۔ دانش محل میں پابندی سے آنے والوں میں ہم لوگوں کے پیارے دوست نصیر قدوائی مرحوم بھی تھے انھیں اردو کے اشعار بہت یاد تھے وہ بڑے مخلص، محبت کرنے والے اور کھلانے پلانے والے آدمی تھے وہ ذرا منہ پھٹ تھے لیکن ان کی خوش مزاجی کی وجہ سے ان کی بات بری نہیں لگتی تھی ان میں یہ اچھائی یا کمزوری تھی کہ وہ بہت جلد بے تکلف ہو جاتے تھے اور ہنسی مذاق شروع کر دیتے تھے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

تھے جو لوگ ان کے کھلے دل اور خلوص سے واقف نہ تھے ممکن ہے ان کی بے تکلفی انھیں ناگوار ہوتی ہو لیکن ہم لوگوں کے لئے وہ گرمی محفل کا باعث رہتے تھے اور جب کبھی وہ دانش محل نہ آتے تو محفل سونی معلوم ہوتی۔

مرحوم کے یہاں جب کبھی ہم لوگ پہونچ جاتے تو بڑی خاطر مدارات کرتے وہ کچہری روڈ پر چوراہے کے پاس رہتے تھے اسی جگہ مسجد کے نیچے حلوائی کی دکان تھی وہ صبح کے وقت گرم گرم جلیبیاں ہم لوگوں کے لئے منگواتے ساتھ ہی ساتھ کہتے کھاؤ مفت کا مال مگر جب کبھی وہ ہم لوگوں کے یہاں پہونچ جاتے تو مع سود کے وصول بھی کر لیتے رٹائر ہونے کے کچھ ہی دنوں بعد انھیں کینسر کا موذی مرض ہو گیا اچھے خاصے تندرست آدمی تھے آخر میں گھل کر کانٹا ہو گئے تھے لیکن خوش مزاجی آخر وقت تک باقی رہی میں دیکھنے گیا تو درد بھرے بہت اچھے اشعار سنائے اور ایک مصرعہ سنایا اور کہا دوسرا مصرعہ دانش محل سے معلوم کر کے بتاؤ وہ مصرعہ اس وقت یاد نہیں آرہا ہے میں نے ان کی یہ آخری فرمائش پوری کر دی ان کا انتقال ہو گیا لیکن ہم لوگ اب تک انھیں بھلا نہ سکے ایک مرتبہ بارہ بنکی جانا ہوا۔ بلا اختیار ان کی قبر پر جانے کو دل چاہا وہ بنکی کے رہنے والے تھے میں قبرستان گیا اب مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ان کی اہلیہ نے ان کی قبر بنوا کر تاریخ وفات کا پتھر لگوا دیا تھا جس سے قبر تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ہاں یہ کہنا بھول گیا کہ ہندوستان پاکستان ہونے کے بعد حکیم اسرار صاحب پاکستان چلے گئے جب جانے لگے تو انھوں نے نسیم سے کہا کہ جو کچھ ہے وہ آپ کی محنت کا پھل ہے جو جی چاہے دیدیجئے اور اپنا دانش محل لے لیجئے۔ اس طرح بھائی نسیم دانش محل کے مالک ہو گئے نسیم کی خوش سلیقگی سے دانش محل نمونے کا کتاب گھر ہو گیا اب تو دانش محل کو اردو کی دنیا میں ایک تاریخی حیثیت حاصل ہو گئی ہے ہم لوگوں کا اس سے ایسا جذباتی تعلق ہو گیا ہے کہ ہم اسے بھلا نہیں سکتے اس سے بہت سے مرنے والے دوستوں کی یادیں وابستہ ہیں وہاں جانے کے بعد ان کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

ایک دن میں دانش محل گیا وہاں ایک نئے صاحب بیٹھے تھے میرا ان کا تعارف کرایا گیا انھوں نے میرا نام سن کر کہا مجھے یہ نام بہت پسند ہے شادی کے بعد جب میرے لڑکا پیدا ہوگا تو میں اس کا نام مجیب ہی رکھوں گا میں نے کہا آپ بلاوجہ اتنا انتظار کیوں کریں مجھے گود لے لیجئے تجویز مناسب تھی سب لوگوں نے پسند کی اس وقت سے ہم لوگوں نے انھیں ابا کہنا شروع کر دیا۔ ان کا نام اسد حسین تھا وہ سیتاپور کے رہنے والے تھے اور نادم سیتاپوری کے چھوٹے بھائی تھے۔ انھوں نے خوشی سے ہم لوگوں کا یہ لقب قبول کر لیا۔ ابا ہونے کی بنا پر کبھی کبھی ہم لوگ ان سے مٹھائی کھا لیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ہم لوگ دانش محل میں بیٹھے تھے بھائی نصیر قدوائی

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

چہک رہے تھے ایک نئے صاحب آ گئے ان سے نصیر قدوائی کا تعارف کرایا گیا آنے والے صاحب نے پوچھا جناب کا اسم گرامی انھوں نے کہا مجھے نصیر قدوائی کہتے ہیں بھائی نصیر کے ایک بے تکلف دوست کھڑے تھے وہ فوراً بولے ارے بھائی اصلی نام بتاؤ شرمانے کی کیا بات ہے اس کے بعد ان کے دوست نے کہا جناب ان کا اصلی نام قلیسٹے ہے اس پر ایک زبردست قہقہہ ہوا جس میں بھائی نصیر بھی شامل تھے وہ نہ مذاق کرنے سے چوکتے تھے اور نہ خود مذاق سے خفا ہوتے تھے بلکہ لطف لیتے تھے

احتشام صاحب اور بھائی نصیر کے انتقال کے بعد دانش محل میں پابندی سے آنے والوں میں شجاعت علی سندیلوی اور لیس صاحب ہیں۔ شجاعت صاحب خاموش، خوش مزاج آدمی ہیں لکھنے پڑھنے کا ہمیشہ سے شوق رہا ہے یونیورسٹی سے متعلق اگر کوئی کام ہوتا ہے تو ان کے توسط سے آسانی سے ہو جاتا ہے لیس صاحب نسیم کے مکان سے تھوڑی دور پر مولوی گنج میں رہتے تھے وہ محکمہ اطلاعات یو۔ پی میں اکاؤنٹنٹ تھے اب رٹائر ہو گئے ہیں انھیں اگر مجسم خلوص کہا جائے تو غلط نہ ہوگا ہر شخص کے کام کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ رٹائر ہونے کے بعد ان کی مشغولیت کم ہونے کے بجائے زیادہ ہو گئی ہے میری چھوٹی لڑکی فرزانہ کی شادی تھی میں نے کھانے کے سلسلے میں سامان وغیرہ کی خریداری میں ان کی مدد چاہی آپ یقین کیجئے کہ

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

بیچارے خود دس بجے میرے یہاں آجاتے اور گھنٹوں ——— چاول، گھی مسالے وغیرہ کی خریداری کے لئے ساتھ رہتے اور کم داموں میں اچھی چیز خریدوانے کی فکر میں رہتے ان کے تعلقات بھی کافی وسیع ہیں اسی لئے دکانداروں سے ان کی جان پہچان ہے انھوں نے ایک اچھے باورچی کا بھی انتظام کرا دیا جسے میں بعد کو اپنے عزیزوں کے یہاں کھانا پکانے کے لئے بلاتا رہا وہ بڑا ایماندار اور خوش مزاج آدمی تھا۔ لیسین صاحب سے اگر آپ کوئی کام کہدیجئے تو پھر آپ کو ان سے یاد دہانی کی ضرورت نہیں بلکہ وہ خود آپ کے یہاں آکر تمام تفصیلات بتا جائیں گے۔ وہ پان کے بڑے شوقین ہیں پان وہ خاص خاص دکانوں پر کھاتے ہیں ایک آدھ مرتبہ مجھے بھی اپنی مخصوص دکان سے پان اصرار کر کے کھلوائے۔

قومی آواز سے رٹائر ہوئے مجھے دس سال ہو گئے ہیں لیکن وہاں تیس سال کام کرنے اور زندگی کا بہترین حصہ گذارنے کی وجہ سے اس سے جذباتی تعلق ہو گیا ہے میں جب خواب دیکھتا ہوں تو سہالی اور ندوہ کے بعد قومی آواز کی زندگی خواب میں نظر آتی ہے بھائی اختر یونس قدوائی نیوز ایڈیٹر قومی آواز میرا بڑا خیال کرتے ہیں انہی کے توسط سے قومی آواز سے متعلق سب کام آسانی سے ہو جاتے ہیں اور مجھے دفتر جانا نہیں پڑتا۔

انسان زندگی میں غلطیاں کرتا ہے میں نے بھی کی ہیں ایک

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

غلطی جس کا بھگتان اب بھی بھگت رہا ہوں وہ مکان کرائے پر اٹھانا ہے پہلے زمانے میں کہا جاتا تھا کہ اگر کوئی غم نہ ہو تو بکری خرید لو۔ مگر زمانہ بہت بدل گیا ہے، اب بکری غم کا باعث نہیں رہی اب ہمارے جیسے مزاج کے آدمی کے لئے مکان کرائے پر اٹھانا مصیبت مول لینے کے برابر ہے۔

ہم پانچ آدمیوں نے مل کر کھررا سیتاپور روڈ پر جو زمین مکان بنوانے کے لئے لی تھی اس کے پچھلے حصے پر دو کمرے اور برآمدہ وغیرہ بنوا دیا تھا یہ جگہ مجھے بڑی پسند ہے کھلی جگہ ہے لب سڑک ہے شہر کے ہنگاموں سے دور ہے۔ میرے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ مزید تعمیر کراتا میرے بڑے لڑکے آصف عزیز قدوائی نے اپنے حصے پر رہنے بھر کے لئے اچھی خاصی عمارت بنوائی ہے۔ لڑکے لڑکیوں کی شادی کا کوئی بار باقی نہیں رہ گیا تھا صرف آصف کی شادی نہیں ہوئی تھی خدا کا شکر ہے کہ اس کی بھی شادی ۲۵ دسمبر ۸۵ء کو ہوگئی جہاں تک اندازہ ہے کہ آصف کی بیوی اور اس کی سسرال والے سب ٹھیک ہیں دعا ہے کہ آصف خوشگوار زندگی بسر کرے اور خوش رہے۔

میری یہ خوش قسمتی ہے کہ نعمت اللہ بلڈنگ امین آباد میں بھی پڑوسی اچھے ملے اور سیتاپور روڈ پر جہاں اب رہتا ہوں وہاں بھی پڑوسی اچھے ملے ہیں پڑوسی کا حق اسی لئے رکھا گیا ہے کیونکہ اس کا ہر وقت ساتھ رہتا ہے اگر وہ اچھا نہ ہوا تو زندگی تلخ ہو جاتی ہے ہمارے ایک پڑوسی اور دوست فرخند علی صدیقی ہیں یہ

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

کرسی روڈ پر الواری کے پاس امراگاؤں کے رہنے والے ہیں
ان سے ہماری ملاقات مکان کے لئے زمین کی تلاش کے سلسلہ
میں تیس سال پہلے ہوئی تھی جب سے یہ تعلق مستحکم ہوتا گیا یہ
بڑے خوش اخلاق بامروت اور وضعدار آدمی ہیں کھدرے میں ان
کا اور ہمارا مکان آمنے سامنے ہے آصف کی شادی کھدرے
ہی سے ہوئی تھی جب سے ہم لوگوں کا یہاں قیام ہے اور فرخند
صاحب سے برابر ملاقات ہوتی رہتی ہے عام طور پر لوگ اپنی
کوئی چیز اس لئے مانگے نہیں دیتے کہ وہ ادھر ادھر ہو جاتی ہے
مگر فرخند صاحب بڑی خندہ پیشانی سے ہر چیز مانگے دیدیتے ہیں
اب مجھے معلوم ہوا کہ ان کی بہت سی چیزیں اسی فراخ دلی کی بنا
پر غائب ہو گئیں لیکن انھوں نے اپنا رویہ تبدیل نہیں کیا۔

پہلے وہ داڑھی نہیں رکھاتے تھے مگر حج سے واپسی پر داڑھی
رکھا کر آئے جب وہ چارباغ اسٹیشن سے ٹیمپو پر کھدرے آئے
تو ہمارے ایک عزیز نے پکار کر کہا کہ فرخند صاحب آگئے
جاکر مل لیجئے میں جلدی سے اٹھا اور سڑک پر کھڑے ٹیمپو کی
طرف لپکا مگر مجھے فرخند صاحب نظر نہ آئے میں سمجھا گھر کے اندر
چلے گئے ہیں گھر کی طرف چلا راستے میں ان کے بھتیجے مل گئے میں نے
پوچھا فرخند صاحب کہاں ہیں انھوں نے اشارہ کرتے ہوئے
کہا وہ دیکھئے ٹیمپو کے پاس کھڑے ہیں۔ ان کے چہرے پر داڑھی
کے اضافے سے میں پہچان نہ سکا تھا۔

دوسرے حاجی اور بڑے ہی عتیق غوری ہیں یہ اکثر اپنے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

دیہات کے مکان میں رہتے ہیں جو موضع ڈگریا میں ہے یہ پہلے بڑے زمیندار اور اب بڑے کاشتکار ہیں اور نئے طرز پر کاشتکاری کرتے ہیں عام طور پر کیش کراپ یعنی آلو وغیرہ بوتے ہیں اور اچھا خاصا پیدا کر لیتے ہیں۔ ان کے لڑکے کی شادی کے موقعہ پر ڈگریا میرا بھی جانا ہوا تھا وہاں ان کا عالیشان مکان دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی وہ بڑے ملنسار آدمی ہیں فرخند صاحب سے اور ان سے بڑے پرانے تعلقات ہیں فرخند ہی صاحب کے توسط سے میرے بھی تعلقات ہو گئے۔ وہ فرخند صاحب کے ساتھ حج کرنے گئے تھے ماشاءاللہ سے انھوں نے بھی ڈاڑھی رکھا لی ہے۔

ان کے علاوہ کھدرے میں ہمارے ہم نام حبیب وکیل صاحب اور اقبال الدین صاحب ہیں ہمارے بھانجے اطہر سلیم نے بھی ہمارے مکان سے کچھ دور پر مکان بنوا لیا ہے اسی طرح ہمارے قریبی دوست مولانا نورالحسن مرحوم کے بڑے صاحبزادے ضیاءالحسن بھی اب سیتاپور روڈ پر رہنے لگے ہیں

ہمارے بھانجے اطہر کے مکان کے پاس فیض آباد کے رہنے والے ایک اسمٰعیل قدوائی صاحب تھے ان سے میرے بڑے لڑکے آصف سے کھدرے آنے سے پہلے سے تعلقات تھے اس محلے میں وہ عرصے رہتے تھے اور ان کا یہاں کافی میل جول تھا۔ وہ یہاں کی کمیٹی کے چیرمین بھی تھے انہی کے ذریعہ میاں نے اپنے بھانجے اطہر کو مکان بنوانے کے لئے زمین خریدوائی تھی ان سے ہم لوگوں کے بڑے تعلقات تھے وہ بڑے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

ملنسار اور خوش اخلاق تھے افسوس کی بات ہے کہ جوانی ہی میں ان کا انتقال افسوس ناک طریقہ پر ہو گیا ہے انھیں دفتر میں معلوم نہیں کن حالات میں کوٹھے پر سے نیچے گرا پایا گیا اور وہیں وہ ختم ہو گئے جس کا یہاں کے تمام لوگوں کو بڑا دکھ ہوا۔

ان کے علاوہ اس محلے میں آسیون کے ایک رئیس زماں صاحب رہتے ہیں ان سے ہمارے یہاں سے کافی تعلقات ہو گئے ہیں اور آنا جانا ہے زماں صاحب میں پرانے زمانے کے رئیسوں کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں یعنی اخلاق، وضعداری اور مروت۔ اس موقعہ پر عزیزم ضیاء کے بہنوئی عزیزم غیاث کا ذکر اس لئے ضروری ہے کہ انھوں نے اس کتاب کی اشاعت میں ہماری بڑی مدد کی اور ہمیں بڑی زحمتوں سے بچا لیا کتاب کی اشاعت میں کتابت کی بڑی اہمیت ہوتی ہے میری تمام کتابوں کی کتابت قومی آواز سے متعلق کاتبوں نے کی تھی مگر سیتاپور روڈ سے قومی آواز جانا آنا اور کاتب صاحبان کی وعدہ خلافی اور ٹال مٹول کے سلسلے میں دوڑ دھوپ کرنا بڑا مشکل تھا عزیزم غیاث نے ہمیں کھدرے ہی کے ایک کاتب صاحب کو جن کا نام حبیب علی ہے ڈھونڈھ دیا ان کا گھر ہمارے مکان کے قریب ہی ہے جس کی وجہ سے ہمیں کتابت کے سلسلے میں دوڑ دھوپ نہیں کرنی پڑی۔ حبیب علی صاحب کاتب نیک اور معقول آدمی ہیں اور سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وعدے کے پکے ہیں عام طور پر کیا نوے فیصد کاتب صاحبان کا وعدہ کسی معشوق کے وعدہ سے کم نہیں ہوتا اور کبھی وقت

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

سے پورا نہیں ہوتا مگر حبیب علی صاحب نے جتنی مدت میں کتابت تکمیل کرنے کو کہا تھا، لگ بھگ اتنی ہی مدت میں کتابت کی تکمیل کر دی۔

سیتاپور روڈ پر آنے سے پہلے سے ہمارے تعلقات مولانا عبدالباری ندوی اور ان کے خاندان سے تھے مولانا عبدالباری صاحب جب ندوہ میں پڑھتے تھے اسی زمانے میں ہمارے والد صاحب نے ہمارے سب سے بڑے بھائی عبدالعزیز صاحب کا داخلہ ندوہ میں کرایا مولانا عبدالباری اور مولانا مسعود علی ندوی آخری درجہ میں تھے مسعود علی صاحب اور عبدالباری صاحب سے والد کی کچھ رشتہ داری بھی تھی انھوں نے اپنے لڑکے عبدالعزیز کی نگرانی انہی دونوں کے سپرد کی تھی۔ اس کے بعد ہم دونوں بھائی یعنی عبدالحسیب صاحب اور میں ندوہ میں پڑھنے کے لئے آئے اور میں نے آٹھویں درجے تک پڑھا دوران تعلیم مولانا عبدالباری صاحب سے تعلق رہا۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادگان فضل الباری اور احمدالباری سے

میرے اور میرے لڑکے آصف عزیز کے تعلقات رہے یہاں آنے کے بعد تعلقات اور گہرے ہو گئے ان سب لوگوں کی موجودگی میں مجھے یہاں تنہائی کا احساس نہیں ہوتا اور میرا وقت اچھی طرح گذر جاتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اب میرے اندر بڑھاپے کی تمام معذوریاں پیدا ہو رہی ہیں اکثر دانت گر گئے ہیں باقی ہل رہے ہیں داہنی آنکھ میں موتیا بند کا پانی آ گیا ہے کمزوری بڑھتی جا رہی ہے اب بقول غالب ؎

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

اب میرے اندر بڑھاپے کی تمام معذوریاں پیدا ہو رہی ہیں اکثر دانت گر گئے ہیں باقی ہل رہے ہیں داہنی آنکھ میں موتیا بند کا پانی آ گیا ہے کمزوری بڑھتی جا رہی ہے اب بقول غالب ؎

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگ ناگہانی اور ہے

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

Digitized by eGangotri and Sarayu Trust.

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

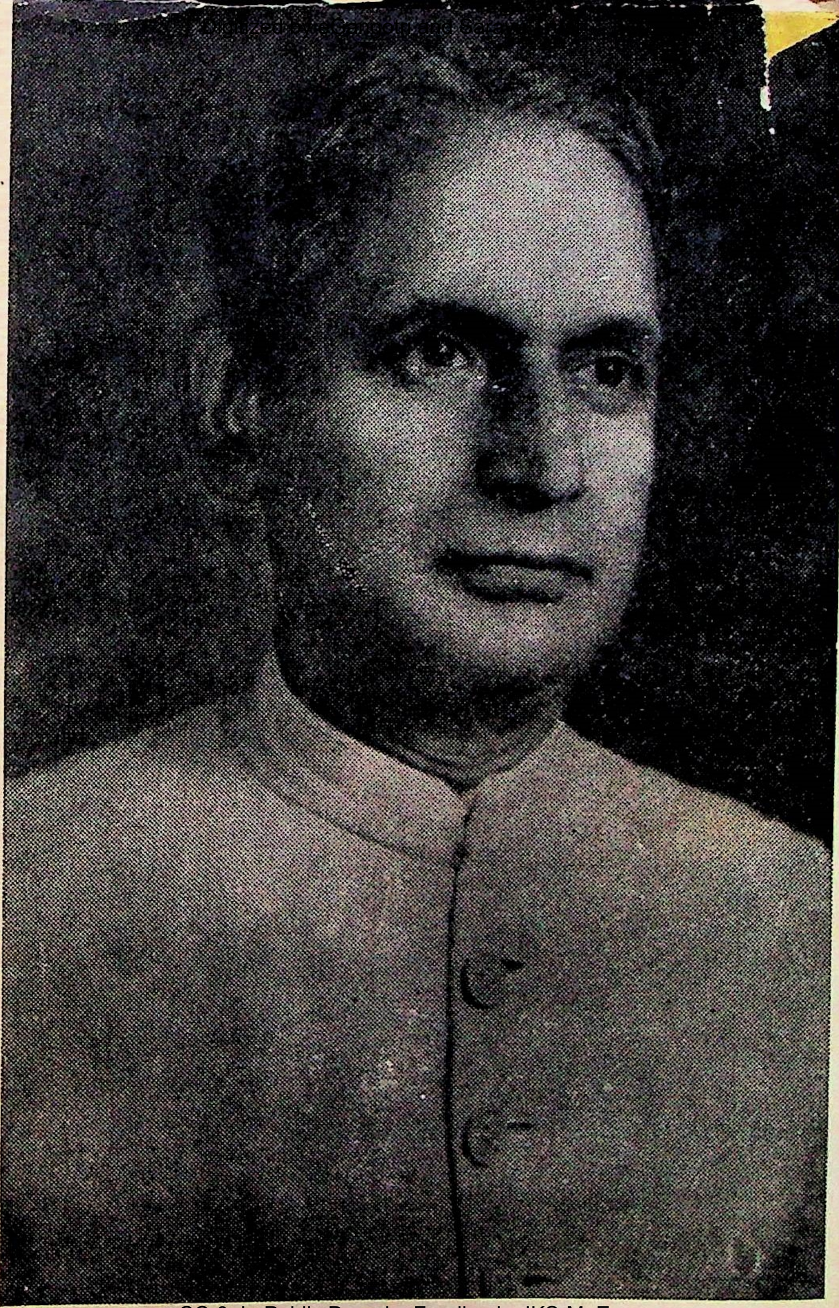

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE

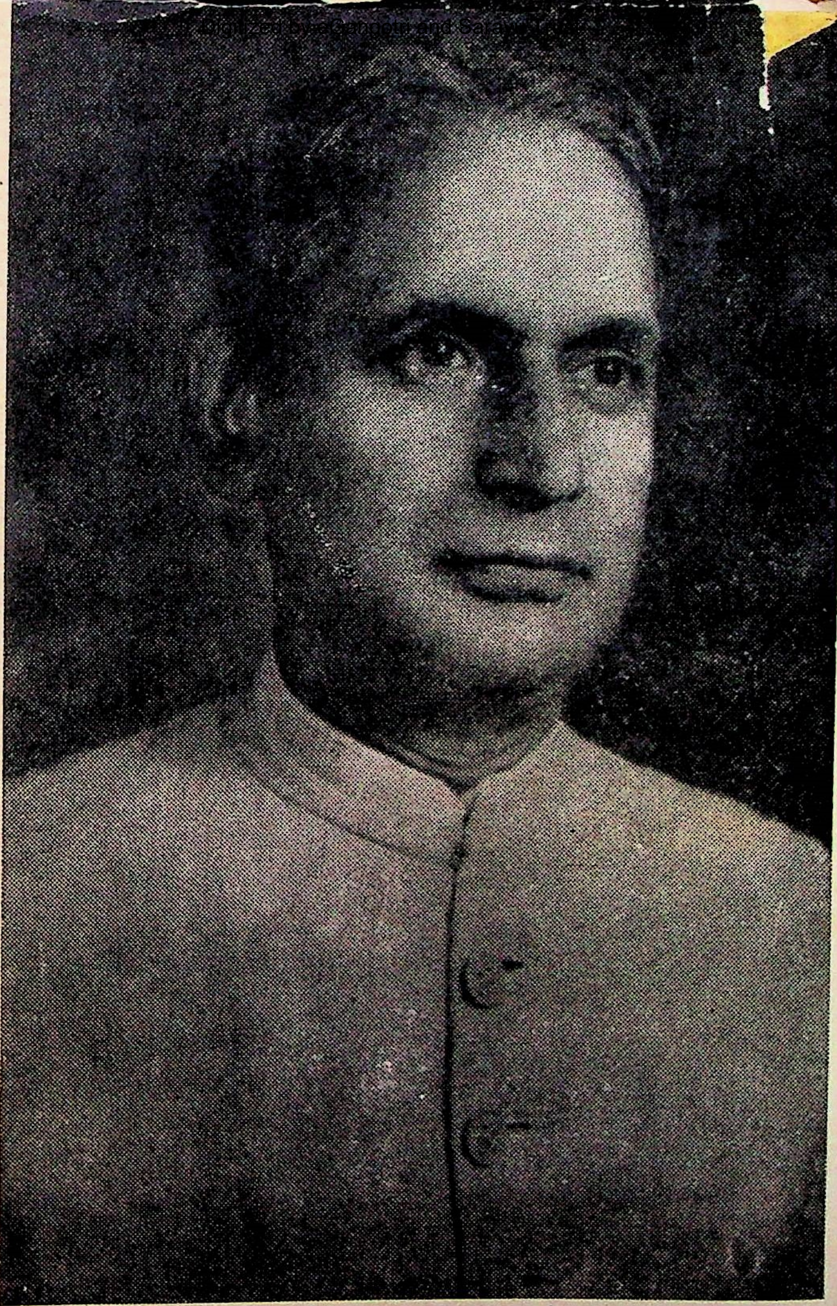

CC-0. In Public Domain. Funding by IKS-MoE